انسپکٹر جمشید سیریز
ناول نمبر 44
پراسرار مہمان
اشتیاق احمد
Atlantis Publications

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے

پراسرار مہمان

اشتیاق احمد

اٹلانٹس پبلکیشنز

Atlantis Publications

تفریح بھی، تربیت بھی

اٹلانٹس پبلکیشنز صحت مند، اصلاحی اور دلچسپ کہانیوں اور ناولوں کی کم قیمت اشاعت کے ذریعے ہر عمر کے لوگوں میں مطالعے اور کتب بینی کے فروغ کیلئے کوشاں ہے۔

ناول	پراسرار مہمان
نمبر	انسپکٹر جمشید سیریز نمبر 44
پبلشر	فاروق احمد
قیمت	R55 روپے

ناول حاصل کرنے اور ہر قسم کی خط و کتابت اور رابطے کیلئے مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

D-83 سائٹ۔ کراچی
فون: 2578273 - 2581720
e-mail: atlantis@cyber.net.pk

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''اللہ تعالیٰ تمہاری شکل و صورت اور تمہارے مال کو نہیں دیکھے گا...... بلکہ تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو دیکھے گا......''

☆☆☆

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

☆ یہ وقت عبادت کا تو نہیں۔

☆ آپ کو اسکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔

☆ آپ نے کسی کو وقت تو دے نہیں رکھا۔

☆ آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے عبادت اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔

اشتیاق احمد

السلام علیکم!

''لوہے کا آدمی'' آپ سبھی کو پسند آیا...... شکر گزار ہوں...... ایک بچے نے یہ اعتراض بھی کیا کہ کہانی ایک دم ختم ہو گئی ...... انہوں نے ٹھیک ہی لکھا...... لیکن کیا کیا جائے..... اگر ایک دم ختم نہ ہوتی تو پھر اگلے ناول تک سلسلہ چلا جاتا...... میں نے سوچا، شاید آپ اسے پسند نہ کریں۔ اگر آپ مشورہ دیں تو آئندہ ایسا بھی کر لیا کریں گے کہ جو کہانی طول پکڑ جائے..... اسے اگلے ناول میں ختم کیا جائے...... یا تیسرے بلکہ چوتھے میں مکمل کر لیا جائے......

بہر حال مجموعی طور پر ''لوہے کا آدمی'' نے سبھی کو حیران کیا...... آخر کیوں نہ ہو...... لوہے کا جو ٹھہرا۔

یہ ''پُراسرار مہمان'' ہے...... اس مرتبہ آپ یہ شکایت نہیں کر سکیں گے کہ محمود، فاروق اور فرزانہ کو کام کرنے کا موقع نہیں ملا...... تو اب آپ ناول شروع کریں اور اس میں ڈوب کر رہ جائیں......

جنگل کی چیخ

چیخ کی آواز نے دونوں کو چونکا دیا۔

وہ آج کل شام کے وقت نیشنل پارک جانے کے بجائے شمالی جنگلات کی طرف نکل جاتے تھے.... یہ ایک گھنا جنگل تھا اور بڑے بڑے تناور درختوں کا سلسلہ کچھ اس طرح چلا گیا تھا کہ سورج کی کرنیں بھی بمشکل زمین تک پہنچ پاتی تھیں۔ ان پر ان دنوں اُونچے سے اُونچے درخت پر چڑھنے کی مشق کرنے کا بھوت سوار تھا، یہی نہیں، وہ کافی اُونچائی سے چھلانگ لگانے کی مشق بھی کر رہے تھے... یہی وجہ تھی کہ شام کی چائے سے پہلے روزانہ اس طرف آتے تھے۔

آج بھی وہ شیشم کے ایک بہت اونچے درخت پر چڑھ رہے تھے کہ چیخ کی آواز سنائی دی۔ دونوں کے کان کھڑے ہو گئے۔ پہلے دونوں نے اِدھر اُدھر دیکھا، پھر فاروق نے کہا:

''معلوم ہوتا ہے، جنگل چیخا تھا۔''

''جنگل تو نہیں.... جنگل کی روح شاید چیخی ہو، کبھی تو تک کی بات کر لیا کرو۔'' محمود نے منہ بنایا۔

''تک کی بات کرنے کا ٹھیکہ تمہارے پاس ہے... اور میں کسی کی حق تلفی نہیں کیا کرتا۔'' فاروق نے مسکرا کر کہا۔

''ویسے میرا خیال ہے کہ چیخ کی آواز زنانہ تھی، شاید کوئی لڑکی چیخی تھی یا پھر عورت۔'' محمود سنجیدہ تھا۔

''چھوڑو یار۔ ضرور کوئی اُلّو چیخا ہوگا۔''

''اُلّو دن میں نہیں چیخا کرتے۔'' محمود نے تیز آواز میں کہا

''چیخ تو رہا ہے۔'' فاروق ہنسا۔

''تم نے مجھے اُلّو کہا.... اُترو درخت سے نیچے... میں ابھی تم سے دو دو ہاتھ کروں گا۔'' محمود جھلا گیا۔

''بڑے بھائی۔ دو دو ہاتھ کرنا کیا ہوتا ہے۔'' فاروق مسکرایا۔

''یہ تمہیں نیچے چل کر پتا چلے گا۔'' محمود نے کہا۔

''تب میں نیچے جاؤں گا ہی نہیں... یہیں بیٹھ کر چین کی بانسری بجاتا رہوں گا۔'' فاروق تڑ سے بولا۔

''تو نیچے چل کر تگنی کا ناچ کیوں نہیں ناچ لیتے۔'' محمود بولا۔

ناچنا لڑکیوں کا کام ہوتا ہے۔ فرزانہ سے رابطہ قائم کرو۔'' فاروق بولا۔

''سمجھ گیا... تم بزدل ہو۔'' محمود نے منہ بنا کر کہا:

''ہاں واقعی.... ہوں تو میں بزدل ہی... دیکھونا.... بڑے بھائی سے لڑتا ہوا اچھا لگوں گا.... لوگ کیا کہیں گے۔''

''لیکن اس جنگل میں لوگ کہاں سے آگئے؟'' محمود نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا:

''اگر اس جنگل میں لوگ کہیں سے آنہیں گئے تو پھر وہ چیخ کی آواز کہاں سے آگئی؟'' فاروق نے سوال کیا۔

''اگر تم نے نیچے چھلانگ نہ لگائی تو میں دھکا دے دوں گا۔'' محمود نے غصیلے

لہجے میں کہا۔

''ارے باپ رے.... اس سے تو یہی بہتر ہے کہ میں نیچے جا کر ناچ لوں۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے نیچے چھلانگ لگا دی۔ محمود بھی اس کے ساتھ ہی کودا اور پاؤں زمین پر لگتے ہی بولا:

''سنبھلو۔ میں تم پر وار کرنے لگا ہوں۔''

''ارے ارے.... تم تو سچ مچ لڑنے پر تل گئے ہو، اگر تلنا ہی ہے تو وزن کرنے والی مشین پر تلو۔'' فاروق نے خوفزدہ انداز میں پیچھے ہٹتے ہوئے کہا، مگر محمود تو اس پر جھپٹ بھی چکا تھا۔ فاروق پھرتی سے ایک طرف ہو گیا، محمود جھونک میں آگے نکل گیا... لیکن پھر فوراً ہی پلٹا اور اس مرتبہ اس کے ہاتھ میں فاروق کی کلائی آگئی، بس پھر کیا تھا، اس نے اسے ایک زوردار جھٹکا دیا اور فاروق گویا ہوا میں اُڑتا ہوا بجلی کی تیزی سے ایک درخت کی طرف آیا، اگر محمود نے اس کی کلائی چھوڑ دی ہوتی تو وہ ضرور درخت سے ٹکراتا، محمود نے اسے دوسری مرتبہ مخالف سمت میں جھٹکا دیا، فاروق کے لیے سنبھلنا مشکل ہو گیا۔''

''یہ تگنی کا ناچ ہے بھلا.... میں تو ہوا میں تیر رہا ہوں۔'' اس نے جھلا کر کہا اور ساتھ ہی خود بھی اپنے ہاتھ کو جھٹکا مارا۔ اس مرتبہ محمود کے قدم لڑکھڑا گئے، لیکن اس کے ساتھ ہی فاروق بھی گرا۔ دونوں لڑھکنیاں کھانے لگے....

''ہم.... میرا خیال ہے.... ہم دونوں کو یہ معلوم ہی نہیں کہ تگنی کا ناچ کیسا ہوتا ہے، کیوں نہ پہلے گھر چل کر فرزانہ سے پوچھ لیں اور پھر یہاں آکر دوبارہ کوشش شروع کریں۔'' فاروق نے ہانپتے ہوئے کہا:

''فکر نہ کرو... فرزانہ سے پوچھنے کی ضرورت نہیں پڑے گی... خود ہی مان

لو گے۔" محمود نے اسے رگیدتے ہوئے کہا:

"ارے یار تو اتنی زور سے کیوں رگڑے دے رہے ہو...."

فاروق نے بوکھلا کر کہا، وہ اس وقت محمود کے نیچے تھا۔

بس گھبرا گئے۔ میں جانتا ہوں... تم صرف باتیں ہی بنا سکتے ہو۔"

"بالکل غلط... میں اور بھی بہت کچھ بنا سکتا ہوں، مثلاً لوگوں کو بے وقوف بنا سکتا ہوں..." یہ کہتے ہوئے فاروق نے پورا زور لگا کر ایک پلٹی کھائی اور محمود کے اُوپر آ رہا۔

"میں نے کہا تھا نا.... میں اور بھی بہت کچھ بنا سکتا ہوں۔ اب دیکھ لو... تمہیں ڈبہ بنا دیا۔" فاروق ہنسا۔

"فکر نہ کرو... آج اس بات کا فیصلہ ہو کر رہے گا کہ ہم میں سے کون طاقتور ہے۔" محمود بھی مسکرایا۔

"تو اس طرح فیصلہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ گھر چل کر ابا جان سے پوچھ لیتے ہیں یا پھر قرعہ اندازی کر لیتے ہیں۔"

"کیوں .... کیا جان نکلنے لگی ہے۔" محمود نے اسے اُلٹانے کے لیے پورا زور لگاتے ہوئے کہا:

دونوں کے چہرے سُرخ ہو گئے تھے اور سانس زور زور سے چل رہا تھا... اس پر بھی ان کے چہرے پر غصہ نہیں تھا.... دونوں ہنس رہے تھے، مسکرا رہے تھے.... اور ایک دوسرے کے خلاف پورا پورا زور صرف کر رہے تھے۔ یوں جیسے یہ زندگی اور موت کا سوال ہو۔

"یار محمود.... اس وقت اگر کوئی ہمیں لڑتے ہوئے دیکھ لے تو کیا خیال کرے۔" فاروق بولا:

"یہ خیال کرے گا کہ دو دشمن لڑکے ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں۔" محمود نے کہا اور فاروق کو اپنی ٹانگوں کے ذریعے اچھال دیا.... فاروق زور سے دوسری طرف گرا۔

دوسرے ہی لمحے دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ہانپ رہے تھے۔ لڑائی کا کوئی فیصلہ نہیں ہو پا رہا تھا۔

"کیوں۔ کیا تھک گئے۔" محمود ہنسا۔

"نہیں تو۔ میرا خیال ہے، تم تھک گئے ہو۔" فاروق بولا۔

"غلط خیال ہے.... ابھی میرے دم خم رہتی ہیں۔" محمود نے کہا:

"تو پھر آؤ۔"

دونوں آگے بڑھے اور انگلیوں میں اُنگلیاں ڈال کر ایک دوسرے کے بازو موڑنے کی کوشش کرنے لگے..... کبھی ایک کا بازو جھکنے لگتا تو کبھی دوسرے کا.... اور عین اسی وقت چیخ کی آواز ان کے کانوں سے ایک بار پھر ٹکرائی۔

دونوں زور سے چونکے۔ اس مرتبہ آواز پہلے کی نسبت زیادہ تیز اور صاف تھی اور یہ یقیناً کسی لڑکی کی چیخ کی آواز تھی.... دونوں کی گرفت ایک دوسرے کے ہاتھ پر ڈھیلی پڑ گئی۔ انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ آخر محمود نے کہا:

"کیا خیال ہے فاروق.... ہم اپنی لڑائی پھر کسی دن پر اُٹھا کر آواز کی سمت میں کیوں نہ چلیں۔ یہ لڑکی ضرور کسی مصیبت میں ہے۔"

"ٹھیک خیال ہے.... لڑائی کا کیا ہے.... ہم تو جس وقت جی چاہے لڑ سکتے ہیں۔"

"تو پھر آؤ۔ آواز اِدھر سے آئی ہے۔" اس نے مغرب کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا:

دونوں نے اپنے کپڑوں کی طرف دیکھا.... بُری طرح گرد میں اَٹ گئے

تھے، سر کے بال بھی مٹی اور تنکوں سے لتھڑ گئے تھے۔

''ہم..... گھر میں کیا جواب دیں گے۔'' محمود نے گھبرا کر کہا:

''کہہ دیں گے، جنگلی کا ناچ ناچ رہے تھے۔'' فاروق مسکرایا۔

''نہیں کپڑے جھاڑ لو..... سر بھی صاف کر لو۔''

''اس کے باوجود فرزانہ بھانپ لے گی کہ ہم دونوں لڑے ہیں۔'' فاروق نے کہا:

''خیر دیکھا جائے گا..... آؤ دیر نہ کرو۔''

دونوں اپنی لڑائی بھول کر آواز کی طرف چل پڑے۔ ساتھ ساتھ وہ اپنے کپڑے بھی جھاڑ رہے تھے..... اور بالوں سے تنکے اور گرد جھاڑ رہے تھے۔ تقریباً دو فرلانگ تک چلنے کے بعد چیخ کی آواز ان کے کانوں سے پھر ٹکرائی۔ اس مرتبہ آواز بہت نزدیک سے آئی تھی..... دونوں محتاط ہو گئے اور درختوں کی اوٹ لے لے کر آگے بڑھنے لگے۔

اچانک وہ ٹھٹھک کر رُک گئے۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ایک خوفناک منظر تھا۔

ایک بارہ تیرہ سال کی لڑکی رسیوں کی مدد سے درخت سے جکڑی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ والے درخت سے ایک چالیس سال کے لگ بھگ عمر کی عورت بندھی ہوئی تھی۔ ان کے سامنے دو آدمی کوڑے لیے کھڑے تھے اور ان سے کچھ فاصلے پر تین اور آدمی تھے..... ان کے سروں پر ہیٹ تھے..... چہروں پر سختی کے آثار تھے..... لڑکی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ عورت کے چہرے اور بازوؤں پر نیل پڑے ہوئے تھے۔ اس وقت انہوں نے ایک ہیٹ والے کو کہتے سُنا:

''بیگم طاہر کریم..... یاد رکھو..... ہم کوڑوں سے تمہاری چمڑی ادھیڑ دیں گے اور اس پر بھی تم نے نہ بتایا تو تمہاری بیٹی کی باری آئے گی۔''

''ہمیں کچھ معلوم نہیں..... خدا کی قسم ہمیں کچھ معلوم نہیں۔''

عورت جسے بیگم طاہر کریم کہا گیا تھا، نے چلا کر کہا:

''تم جھوٹ کہتی ہو..... اور ہم سچ اُگلوانا جانتے ہیں۔ چلو صابر..... شروع ہو جاؤ۔''

اس کے ساتھ ہی شڑاپ کی آواز آئی۔ کوڑا عورت کے جسم سے لپٹ کر رہ گیا۔ محمود اور فاروق کانپ اُٹھے۔ وہ یہ ظلم برداشت نہیں کر سکتے تھے..... کوڑا عورت کے جسم پر پڑا تھا اور چلائی لڑکی تھی۔ اس نے گڑگڑا کر کہا:

''میری ماں کو نہ مارو..... تم مجھے کوڑے مار لو۔''

'بے وقوف لڑکی..... تم تو ایک کوڑا کھاتے ہی بے ہوش ہو جاؤ گی..... اس لیے پہلے ہم تمہاری ماں کے صبر کا ہی امتحان لیں گے..... ہم اس پر اس وقت تک کوڑے برساتے رہیں گے جب تک یہ بتا نہیں دیتی کہ وہ مہمان کون تھا..... جو تمہارے ہاں آ کر ٹھہرا تھا اور جب ہم گھر میں داخل ہوئے تو وہ فرار ہو چکا تھا۔ تم سے اس مہمان کا کیا تعلق تھا..... وہ کہاں چلا گیا..... بس یہ ساری باتیں ہمیں بتا دو..... پھر ہم تم دونوں کو چھوڑ دیں گے۔''

''اچھا..... میں بتاتی ہوں۔'' عورت نے مردہ لہجے میں کہا اور بتانے لگی۔

''ہم دونوں ماں بیٹی تنہا رہتی ہیں..... میرے شوہر عابد کریم افریقہ میں کاروبار کرتے ہیں..... اس شام ہم دونوں کھانا کھا رہے تھے کہ کسی نے دروازے پر دستک دی..... صفیہ نے اُٹھ کر دروازہ کھولا تو ایک اجنبی کھڑا تھا..... اس نے بتایا..... وہ افریقہ سے آیا ہے اور عابد کریم کا دوست ہے، اسی نے مجھے اس گھر کا پتا دیا تھا، وہ چند دن یہاں ٹھہر کر کچھ کام کرنا چاہتا ہے۔ میں نے اسے اپنے گھر میں ٹھہرا لیا۔ پھر ایک دن وہ صبح کا گیا واپس نہ آیا..... اب تم لوگ اس کے بارے میں پوچھ رہے ہو۔ لیکن ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے.....'' بیگم طاہرہ یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئی۔

''اس کا نام کیا تھا؟'' پیچھے کھڑے تین آدمیوں میں سے ایک نے پوچھا:

''اس نے اپنا نام سردار احمد خاں بتایا تھا۔''

"مجھے تمہارے بیان پر یقین نہیں آیا..... چلو شرفو..... صابر تھک گیا ہے، اس مرتبہ کوڑا تم چلاؤ۔" اس نے عورت کے قریب کھڑے دوسرے آدمی سے کہا۔

"ٹھہرو!" عورت پاگلوں کی طرح چلائی۔ "آخر تمہیں میری بات پر یقین کیوں نہیں آتا۔"

"اس لیے کہ..... ہم یہ بات معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں، وہ آدمی جب تمہارے گھر آیا تھا تو اس کے ہاتھ میں مگر مچھ کی کھال کا بنا ہوا ایک تھیلا تھا..... اور جب وہ اس گھر سے گیا تو تھیلا اس کے ہاتھ میں نہیں تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ تھیلا اگر تمہارے گھر میں ہے تو تم نے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا۔"

"تم نے تھیلے کے بارے میں نہیں، مہمان کے بارے میں پوچھا تھا۔" بیگم طاہرہ نے گھبرا کر کہا۔

"تو چلو..... اب بتا دو۔ تھیلا کہاں ہے اور اس میں کیا کچھ ہے۔" ہیٹ والے مسکرا کر کہا۔

"مجھے نہیں معلوم..... تھیلا ضرور مہمان خانے میں ہو گا..... اور اس میں کیا ہے، یہ میں کیسے بتا سکتی ہوں جب کہ میں نے اسے کھولا ہی نہیں۔"

"پھر جھوٹ۔ چلو شرفو۔ شروع ہو جاؤ۔"

"تم خود جا کر کیوں نہیں دیکھ لیتے۔" عورت نے جلدی سے کہا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی کوڑا اس کے پیٹ پر پڑا اور اس کی دل دوز چیخ نکل گئی..... اسی وقت انہوں نے ایک چہکتی ہوئی آواز سنی۔

"یہ کیا ہو رہا ہے دوستو۔"

وہ چونک پڑے۔ بیگم طاہرہ اور صفیہ نے بھی حیرت زدہ انداز میں آواز کی طرف دیکھا اور پھر وہ سب حیرت زدہ رہ گئے۔ ان کے سامنے دو خوبصورت، چمکتی

ہوئی آنکھوں اور مسکراتے ہونٹوں والے لڑکے کھڑے تھے۔ ہیٹ والوں کے منہ بن گئے۔ ایک نے غرا کر کہا:

"کون ہو تم؟"

"خدائی فوج دار۔ کیا خیال..... ہم انہیں اچھے نہیں لگے۔" فاروق مسکرایا۔

"چلتے پھرتے نظر آؤ ہیٹ والا گرجا۔"

"بہت اچھا۔ جو حکم۔" فاروق نے کہا اور ان کی طرف چل پڑا، پھر تیزی سے مڑا اور محمود کی طرف بڑھا۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟" ہیٹ والے نے تلملا کر کہا۔

"چلتا پھرتا نظر آ رہا ہوں۔ تمہی نے تو کہا تھا۔"

"شرفو..... یہ یوں باز نہیں آئیں گے..... انہیں ایک ایک کوڑا رسید کر دو۔" اس نے لاپروائی سے حکم دیا:

"بہت اچھا باس۔"

"لیکن ہم کوڑے کی رسید لکھ کر نہیں دیں گے۔ یہ جان رکھو۔" محمود نے بلند آواز میں کہا..... اس کے ساتھ ہی کوڑا اس کی طرف لپکا اور دوسرے ہی لمحے وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ کوڑے کا سرا محمود کے ہاتھ میں تھا اور وہ اسے تانے کھڑا تھا۔ شرفو نے کوڑا کھینچا مگر محمود تو چٹان کی طرح کھڑا تھا۔

اب دونوں میں زور آزمائی ہونے لگی۔ سب لوگ اس کشمکش کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے..... شرفو ایک لمبا تڑنگا بدمعاش تھا جب کہ محمود پتلا دبلا سا لڑکا..... لیکن اپنا پورا زور صرف کرنے کے بعد بھی شرفو اس سے کوڑا نہ چھڑا سکا۔ اسی وقت فاروق کی آواز گونجی:

"تم دونوں تو یونہی ایک کوڑے پر لڑ رہے ہو..... ننھے بچوں کی طرح لڑا نہیں

کرتے، لاؤ میں اسے درمیان سے کاٹ دوں۔" یہ کہتے ہوئے اس نے جیب سے ایک ننھا سا چاقو نکال کر کھول لیا.... اس کے الفاظ ابھی مکمل ہوئے ہی تھے کہ شرفو نے ایک اچانک جھٹکا مارا.... جھٹکا پوری قوت سے مارا گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ محمود کوڑے کے ساتھ اُڑتا ہوا اس تک چلا آئے گا، لیکن ایسا نہیں ہوا تھا.... محمود نے یک لخت کوڑا چھوڑ دیا اور شرفو اپنے ہی زور میں لڑھکنیاں کھاتا چلا گیا۔ اب تو سب دھک سے رہ گئے۔ ہیٹ والے نے صابر کی طرف گھور کر دیکھا تو وہ چونک کر آگے بڑھا:

"لو بھئی محمود.... اسے بھی سنبھالو۔ میں تو درختوں پر چڑھ چڑھ کر اور کود کود کر تھک گیا ہوں، ورنہ کوڑوں کی جمناسٹک کے اس کھیل میں میں بھی حصہ لیتا۔"

"فکر نہ کرو فاروق.... میں صابر کو صبر کرنے کی مشق کرا دوں گا۔"

صابر نے غصے میں آکر کوڑا پوری قوت سے محمود پر دے مارا، لیکن اس مرتبہ محمود نے ہائی جمپ کا مظاہرہ کیا، کوڑا اس کے بدن کو چھو بھی نہیں سکا تھا۔ صابر کا غصہ آسمان سے باتیں کرنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں سی نکلنے لگیں.... کوڑا بجلی کی طرح حرکت کرنے لگا، اس کے ساتھ ساتھ محمود بھی اچھل کود رہا تھا۔ وہ سب اسے آنکھیں پھاڑے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے وہ انسان نہ ہو، کوئی چھلاوہ ہو۔ فاروق ایک طرف ایک درخت سے لگا یہ کھیل دلچسپی سے دیکھنے میں محو تھا کہ اچانک اسے ایک خیال آیا۔

وہ دبے پاؤں ہیٹ والے کی طرف بڑھنے لگا۔

☆☆☆

کمال کا بیگ

محمود اور فاروق کے گھر سے جانے کے بعد فرزانہ نے اپنی امی سے کہا:

"امی جان! آج ذرا مجھے بھی اپنی ایک سہیلی سے ملنے کے لیے جانا ہے.... وہ آج اسکول نہیں آئی، نہ اس کی کوئی درخواست موصول ہوئی.... جب کہ آج سے پہلے وہ کبھی غیر حاضر نہیں ہوئی، اس لیے میں جاننا چاہتی ہوں، وہ خیریت سے تو ہے۔"

"ضرور جاؤ بیٹی۔ یہ تو تمہارا فرض ہے۔"

"اگر ابا جان کے آنے تک، آپ تنہائی محسوس کریں تو آنٹی کو بلا لیجیے گا۔" فرزانہ کا اشارہ بیگم شیرازی کی طرف تھا۔

"فکر نہ کرو۔"

اور روزانہ گھر سے نکل کر ایک رکشے میں بیٹھ کر اپنی سہیلی کے گھر کے سامنے پہنچ گئی.... رکشے کا بل ادا کرنے کے بعد وہ دروازے کی طرف بڑھی اور گھنٹی بجائی، لیکن کوئی دروازے کی طرف نہ آیا.... فرزانہ جانتی تھی کہ اس کی سہیلی اپنی ماں کے ساتھ تنہا رہتی ہے.... ان کے گھر میں کوئی نوکر نہیں تھا.... اس نے سوچا.... شاید دونوں کہیں گئی ہوئی ہیں، لیکن اس صورت میں تو دروازے پر تالا لگا ہوا ہونا چاہیے تھا، جب کہ ایسا نہیں تھا.... فرزانہ نے دروازے پر تھوڑا سا دباؤ ڈال کر دیکھا تو وہ کھل گیا.... وہ حیران حیران سی اندر داخل ہو گئی۔

پورے گھر پر موت کا سناٹا طاری تھا۔ فرزانہ ایک ایک کمرے کو دیکھتی چلی گئی .... اور پھر سونے کمرے میں پہنچ کر وہ ٹھٹھک گئی۔ ہر طرف بے ترتیبی کے آثار تھے .... چیزیں الٹی پڑی تھیں .... بستر کی چادریں فرش تک گھسٹ آئی تھیں .... یوں لگتا تھا کہ اس کی سہیلی اور والدہ سو رہے تھے کہ کچھ لوگ انہیں گھسیٹتے ہوئے یہاں سے لے گئے .... اور یہ سب ضروریات کے وقت کیا گیا۔ ورنہ بستر کی چادروں کا فرش پر لٹکنے کا کیا مطلب ہو سکتا تھا .... وہ پریشان ہو گئی، ذہن تیزی سے سوچنے لگا .... وہ کون لوگ تھے جو انہیں لے گئے .... وہ اُن سے کیا چاہتے ہیں .... پھر اس نے سوچا .... اسے باقی کمروں کا بھی جائزہ لینا چاہیے۔ لیکن اس سے پہلے گھر کا دروازہ اندر سے بند کر لینا چاہیے .... دروازہ بند کرنے کے بعد وہ ڈرائنگ روم میں آئی، یہاں ہر چیز اپنی جگہ پر تھی۔ اس کے ساتھ ہی مہمان خانہ تھا۔ وہ مہمان خانے میں داخل ہوئی اور غور سے ایک ایک چیز کا جائزہ لینے لگی۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کے کپڑوں کی الماری میں مردانہ کپڑے لٹک رہے تھے .... آئینے کے پاس آتش دان پر شیو کا سامان رکھا تھا .... مردانہ کپڑوں اور شیو کے سامان کا صاف مطلب یہ تھا کے کمرے میں ان دنوں کوئی مہمان ٹھہرا ہوا تھا .... مگر وہ مہمان بھی تو اس وقت گھر میں نہیں تھا .... آخر یہ چکر کیا ہے .... معاملہ تو حد درجے کا پُر اسرار لگتا ہے۔

پورا مکان دیکھنے کے بعد بھی فرزانہ کے پلے کچھ نہ پڑا۔ مہمان خانے کا خیال اسے رہ رہ کر آ رہا تھا .... وہ بڑبڑائی بہت زبردست قسم کی گڑبڑ کے آثار پائے گئے ہیں .... اور اس کا سرا مہمان خانے سے جا ملتا ہے .... اگر واقعی یہاں کوئی مہمان ٹھہرا ہوا تھا۔ تو پھر جو کچھ بھی ہوا ہے۔ اسی کی وجہ سے ہوا۔

یہ سوچ کر وہ ایک بار پھر مہمان خانے میں آئی اور ایک ایک چیز کا جائزہ لینے لگی .... اسکی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ بستر کے نیچے ایک بیگ پڑا تھا .... بیگ جو

مگرمچھ کی کھال کا تھا۔ اس نے دل میں کہا .... یہ بیگ ضرور مہمان کا ہے .... اسے کھول کر دیکھنا چاہیے۔ اس نے بیگ پر ہاتھ ڈال دیا اور اس وقت اسے معلوم ہوا .... بیگ بہت ہلکا تھا، شاید اس میں کچھ بھی نہیں تھا، فرزانہ نے جلدی سے اسے کھول کر دیکھا اور یہ دیکھ کر اس کی مایوسی کی انتہا نہ رہی کہ بیگ میں کچھ بھی نہیں تھا۔ اس نے بیگ کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر بند کر کے اس جگہ رکھ دیا .... اب اسکی پریشانی میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ آخر وہ ڈرائنگ روم میں آئی۔ ٹیلیفون موجود تھا .... اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔ وہ اُچھل پڑی۔ فون کی طرف بڑھتا ہوا ہاتھ رُک گیا اور وہ دروازے کی طرف لپکی .... لیکن پھر رُک گئی، اس نے سوچا .... خدا جانے دروازے پر کون ہے .... مجھے ہر ممکن احتیاط سے کام لینا چاہئے ....

"کون ہے؟" اس نے چلا کر پوچھا۔

"دروازہ جلدی کھولو بیٹی .... میں مصیبت میں ہوں۔" آواز آئی .... آواز میں درد تھا .... بے بسی تھی .... تڑپ تھی۔

فرزانہ نے سوچے سمجھے بغیر دروازہ کھول دیا۔ اس نے دیکھا ایک ادھیڑ عمر کا آدمی وہاں کھڑا تھا اور اس کی ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا۔

☆☆

انسپکٹر جمشید اپنے دفتر میں بیٹھے کسی اہم فائل میں گم تھے۔ دائیں طرف کونے میں اکرام اپنے کام میں مصروف تھا کہ چپراسی اندر داخل ہوا۔

"ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہیں جناب یہ ان کی چٹ ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے سر اُوپر اُٹھا کر چٹ پر لکھا ہوا نام پڑھا اور پھر چونک اُٹھے۔ ان کے منہ سے بڑبڑاہٹ کے انداز میں نکلا: "جہانگیر بابر .... یہ یہاں کیسے آ گئے۔" پھر وہ چپراسی کی طرف متوجہ ہوئے۔ "ٹھیک ہے انہیں اندر لے آؤ۔" چپراسی

کے باہر نکلتے ہی انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی دبی آواز میں اکرام سے کہا:

''اکرام.... جو شخص اندر آنے والا ہے، انتہائی خطرناک ہے.... میرے اور اسکے درمیان جو بھی گفتگو ہو، اسے نوٹ کرتے چلے آؤ۔ لیکن یہ ظاہر نہ ہو کہ....''

ان کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ اسی وقت ایک لمبا تڑنگا نوجوان اندر داخل ہوا تھا... اس کے چہرے پر بڑی بڑی آنکھیں عجیب سی لگ رہی تھیں.... ناک بہت لمبی تھی اور مونچھیں باریک ترشی ہوئی تھیں۔ اس نے چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

''ہیلو انسپکٹر صاحب۔ شاید ہم دس سال بعد مل رہے ہیں۔''

''جی ہاں۔'' انہوں نے ہاتھ ملاتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں کہا:

''میں آج بھی آپ کے پاس نہ آتا.... لیکن کیا کیا جائے، بعض مجبوریاں لے ہی آتی ہیں.... مجھے یاد ہے، ہماری ایک مرتبہ جھڑپ ہو گئی تھی.... میں اس روز بلاوجہ ہی آپ پر بگڑ گیا تھا جس کا مجھے افسوس ہے۔''

''کوئی بات نہیں جناب! آپ یہ فرمایئے، کس کام سے تشریف لائے ہیں۔''

''میں دراصل ایک اُلجھن میں پھنس گیا ہوں...... لیکن میں یہاں نہیں بتا سکتا...... آپ میرے ساتھ گھر تک چلنے کی تکلیف گوارا کر سکتے ہیں؟'' اس نے التجا آمیز لہجے میں کہا:

''میں ضرور چلوں گا...... اکرام جیپ نکالو۔''

''جیپ کی ضرورت نہیں۔'' جہانگیر بابر نے جلدی سے کہا۔ ''میں آپ کو واپس بھی چھوڑ جاؤں گا۔''

''بہت اچھا...... چلو اکرام...... تم بھی میرے ساتھ چل رہے ہو۔''

''جی بہت اچھا۔'' اکرام نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ جہانگیر بابر کی کار میں بیٹھے اس کے گھر کی طرف جا رہے

تھے...... گھر کیا تھا، پورا محل تھا۔ راستے میں انسپکٹر جمشید نے یہ پوچھنے کی کوشش کی تھی کہ معاملہ کیا ہے...... مگر جہانگیر بابر نے صرف اتنا ہی کہا کہ گھر چل کر ہی کچھ بتا سکے گا...... اور اب وہ صدر دروازے میں سے ہو کر ایک طویل روش کو طے کر رہے تھے جس پر بجری بچھی ہوئی تھی۔ آخر جہانگیر بابر نے زبان کھولی:

''شاید آپ کو معلوم نہیں...... میں ایک سال بعد وطن واپس لوٹا ہوں۔''

کیا مطلب؟...... میرا خیال تھا کہ آپ ملک میں ہی ہیں۔''

انسپکٹر جمشید یہ سُن کر حیران رہ گئے تھے۔ جہانگیر بابر بہت اثر ورسوخ والا آدمی تھا، اس کے تعلقات بہت بڑے بڑے افسروں سے تھے، وہ سال میں کئی بار ان کی دعوتیں کرتا تھا اور بڑے بڑے کام نکلوا لیتا تھا...... لیکن یہ بات واقعی انہیں معلوم نہیں تھی کہ وہ ایک سال تک ملک سے باہر ہے۔ اُنہوں نے سنا، جہانگیر بابر کہہ رہا تھا:

''جی ہاں! میں ایک سال تک افریقہ میں رہ کر آیا ہوں...... دراصل میں سیاحت کی غرض سے گیا تھا، اتفاق سے میں نے وہاں سونے کی ایک کان خرید لی اور اس کی کھدائی شروع کر دی...... شروع شروع میں کان میں سے سونے کے کچھ ذرّات برآمد بھی ہوئے، لیکن پھر بعد میں ذرّات ملنا بالکل بند ہو گئے۔ یہ کام پورا ایک سال جاری رہا اور مجھے لاکھوں روپے کا نقصان ہوا، آخر میں دل ہار کر یہاں چلا آیا.... لیکن شاید سکون یہاں بھی میرے مقدر میں نہیں ہے۔ مجھے آئے ابھی چند ہی دن ہوئے ہیں کہ گھر میں ایک حادثہ ہو گیا۔''

''حادثہ۔ کیسا حادثہ.... میں کچھ سمجھا نہیں۔'' انسپکٹر جمشید نے حیرت زدہ لہجے میں کہا، ساتھ ہی انہوں نے ترچھی نظروں سے پیچھے آتے ہوئے اکرام کو دیکھا۔ وہ بڑی احتیاط سے چلتے ہوئے ہی یہ گفتگو نوٹ کرتا جا رہا تھا۔

''وہی آپ کو دکھانے کے لیے لایا ہوں۔ آیئے۔''

یہ کہتا ہوا وہ روش کے بعد شروع ہونے والے برآمدے میں مڑ گیا.... برآمدہ بھی کافی لمبا چوڑا تھا۔ آخر وہ ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر رُک گیا۔ اس دروازے پر ایک تالا لگا ہوا تھا۔ جہانگیر بابر نے جیب سے چابی نکالی اور تالا کھولنے لگا.... پورے محل میں ابھی تک انہیں کوئی ملازم یا گھر کا کوئی اور آدمی دکھائی نہیں دیا تھا۔ جب کے انسپکٹر جمشید یہ اچھی طرح جانتے تھے، جہانگیر بابر کے بیوی بچے موجود ہیں اور اسکے گھر میں ملازموں کی پوری فوج ہوتی ہے.... آخر انہی کی مدد سے تو وہ بڑے بڑے افسروں کو پارٹیاں دیا کرتا ہے.... یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے افریقہ جاتے ہوئے تمام ملازموں کو چھٹی دے دی ہو اور بیوی بچوں کو ننھیال بھیج دیا ہو۔

''آپ کے گھر میں آپ کے سوا کوئی نظر نہیں آ رہا ہے......''

''میں جاتے ہوئے ملازموں کو چھٹی دے گیا تھا۔ اب نئے سرے سے ملازم رکھوں گا.... بیوی بچے اس لیے ابھی تک نہیں آئے کہ میں بغیر اطلاع آ گیا ہوں۔ دراصل میں انہیں حیران ہوتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں۔'' جہانگیر بابر کے ان الفاظ کے خاتمے پر تالا کلک کی آواز کے ساتھ کھل گیا۔

''اندر تشریف لے چلیے۔'' اس نے کہا.... اور تینوں کمرے میں داخل ہوئے....

یہ ایک عالی شان کمرہ تھا.... فرش پر ایک پیلے رنگ کا بہت موٹا قالین بچھا تھا، جس میں ان کے جوتے دھنستے چلے گئے.... چاروں طرف آبنوس کے بنے ہوئے صوفہ سیٹ بچھے تھے اور درمیان میں ایک بڑی سی میز تھی.... میز پر ہاتھی دانت کا کام کیا گیا تھا اور کناروں پر سونے کی باریک تاریں بھی جڑی گئی تھیں.... میز کے اُوپر ایک گل دان میں خوب صورت پھول تھے....

''یہ اب سے تقریباً دو گھنٹے پہلے کی بات ہے.... میں اس کمرے میں ایک صوفے پر بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا.... آج شام میرا پروگرام اپنے سُسر کے گھر

جانے کا تھا تا کہ بیوی بچوں کو لے آؤں، اچانک کوئی کمرے میں داخل ہوا' میں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا.... وہاں ایک میری عمر کا آدمی کھڑا تھا۔ وہ پتلا دبلا سا تھا، اس کے چہرے پر بدحواسی کے آثار تھے.... پھر اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں مجھ سے کہا.... میں خطرے میں ہوں، میرا ایک دشمن میرے پیچھے ہے۔ وہ مجھے جان سے مار ڈالنا چاہتا ہے.... میں اس سے بچنے کے لیے آپ کی اجازت کے بغیر یہاں گھس آیا ہوں.... خدا کے لیے میری مدد کریں....

''مگر میں.... میں کیا کر سکتا ہوں؛ میں نے گھبرا کر کہا:

مم.... مجھے کہیں چھپا دیجیے: اس نے بوکھلائی ہوئی آواز میں کہا:

اتنے میں دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی.... وہ اور بھی گھبرا گیا.... اس نے لرزتی آواز میں کہا.... اُف.... وہ آ گیا.... اب میں کہا جاؤں، کہاں چھپوں.... وہ مجھے دیکھتے ہی گولی چلا دے گا۔ پھر اس کی نظر میز پر پڑی۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ.... میز کے نیچے چھپ گیا۔ اتنے میں ایک اور آدمی پستول ہاتھ میں لیے اندر داخل ہوا۔ اس نے پہلے تو چاروں طرف دیکھا۔ پھر خونخوار لہجے میں کہا:

''کہاں گیا وہ.... تم نے اسے کہاں چھپا دیا۔''

میں ہکا بکا اس کی طرف دیکھنے لگا، میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ اسے کیا جواب دوں۔ اتنے میں وہ خود ہی آگے بڑھ آیا.... اس نے میز کے نیچے جھک کر دیکھا.... اور پھر چلّا کر بولا:

''تو تم یہاں چھپے ہو.... تمہاری زندگی کے دن پورے ہو چکے۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی فائر کی آواز گونجی.... لیکن آواز ایک فائر کی نہیں تھی.... دو فائروں کی تھی۔

میں نے بوکھلا کر دیکھا.... پستول والا خود بھی زخمی ہو گیا تھا.... شاید میز کے نیچے

چھپے ہوئے آدمی نے اس پر بھی فائر جھونک مارا تھا، لیکن بعد میں آنے والے کے گولی ٹانگ میں لگی تھی.... بس وہ لنگڑاتا ہوا باہر نکل گیا اور میں کتنی ہی دیر ساکت بیٹھا رہ گیا۔ پھر میں نے اُٹھ کر دیکھا.... میز کے نیچے اس آدمی کی خون میں لت پت لاش پڑی تھی۔"

یہ کہہ کر جہانگیر بابر خاموش ہو گیا.... اس کی آنکھوں میں خوف ابھی تک صاف دیکھا جا سکتا تھا۔

"کیا مطلب۔ کیا لاش ابھی تک میز کے نیچے موجود ہے۔"

"جی ہاں۔ اس بدنصیب کی لاش میرے گھر کے ڈرائنگ روم میں میز کے نیچے موجود ہے۔"

"اوہ!" انسپکٹر جمشید اور اکرام دھک سے رہ گئے.... پھر وہ تیزی سے جھکے اور انہوں نے دیکھا، میز کے نیچے واقعی ایک لاش موجود تھی اور اس کے اِرد گرد کا قالین خون سے سُرخ ہو چکا تھا۔ لاش کا چہرہ قالین میں دھنسا ہوا تھا، اس لیے میز ہٹائے بغیر اسے دیکھا جانا ممکن نہیں تھا، چنانچہ انسپکٹر جمشید نے اکرام سے کہا:

"میز کو یہاں سے ہٹانا پڑے گا.... ہم دونوں مل کر اُٹھاتے ہیں۔"

"نہیں نہیں.... میں بھی آپ کے ساتھ لگتا ہوں۔" جہانگیر بابر نے کہا اور ان تینوں نے مل کر اس وزنی میز کو کمرے کے کونے میں رکھ دیا اور پھر جوں ہی انسپکٹر جمشید نے مُردہ آدمی کو سیدھا کیا، وہ چونک اُٹھے۔

"ارے! اسے تو میں جانتا ہوں۔" ان کے منہ سے نکلا۔ جہانگیر بابر نے اسے حیرت زدہ ہو کر دیکھا پھر بولا:

"کون تھا یہ۔"

"مجھے حیرت ہے.... میں اس آدمی کو آج دس سال بعد دیکھ رہا ہوں۔ اس کا نام فیروز کالا ہے۔ دس سال پہلے یہ ایک بنک میں ڈاکا ڈالنے کے جرم میں گرفتار ہوا

تھا اور اسے سات سال قید با مشقت ہوئی تھی۔ ڈاکے کے دوران بنک کا چوکیدار زخمی ہو گیا تھا.... سوال یہ ہے کہ اس وقت اسے گولی مارنے والا کون تھا، خیر آپ فکر نہ کریں، ہم معلوم کر ہی لیں گے.... ارے ہاں۔ آخر آپ میرے پاس کیوں چلے آئے، آپ کو تو سیدھے پولیس اسٹیشن پہنچنا چاہیے تھا۔"

انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر رُک گئے اور جہانگیر بابر کی طرف دیکھنے لگے۔

"دراصل یہ معاملہ حد درجے پُراسرار تھا، اس لیے میں نے سوچا، آپ کو کیوں نہ موقعے پر لے آؤں۔" اس نے کہا:

"خیر اب پولیس کو فون کیجئے۔ تاکہ وہ اپنی کارروائی مکمل کر سکیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

جہانگیر بابر یہ کہہ کر فون کی طرف بڑھا، اسی وقت فون کی گھنٹی بجی، اس نے ریسیور اُٹھا کر ہیلو کہا، پھر اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نمودار ہوئے۔ اس نے انسپکٹر جمشید کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا اور بولا:

"آپ کا فون ہے.... کوئی لڑکی فون پر ہے۔"

"لڑکی؟" انسپکٹر جمشید حیرت زدہ لہجے میں بولے.... "بھلا مجھے یہاں کون فون کر سکتا ہے۔"

یہ کہتے ہوئے انہوں نے آگے بڑھ کر ریسیور جہانگیر بابر کے ہاتھ سے لے لیا اور فون میں بولے۔

"ہیلو.... میں انسپکٹر جمشید ہوں۔ آپ کون ہیں۔"

"ابا جان۔ یہ میں ہوں۔"

انسپکٹر جمشید دھک سے رہ گئے.... دوسری طرف فرزانہ تھی۔

☆☆☆

مہمان کی آمد

محمود کی اچھل کود جاری تھی..... وہ سب اس اچھل کود کو کچھ اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہے تھے کہ کسی کو فاروق کا خیال بھی نہ رہا..... دوسری طرف فاروق کھسکتا کھسکتا ایک ہیٹ والے کے نزدیک پہنچ چکا تھا..... تھوڑی دیر بعد وہ واپس کھسکتا ہوا اپنی جگہ پر آ گیا۔ محمود کا کھیل ابھی تک جاری تھا۔ صابر اپنی پوری کوشش کے بعد بھی اسے کوڑا نہیں مار سکا تھا.....

"ارے بھائی..... اب بس کرو، اس کھیل کو ختم کرو..... ہم سمجھ گئے، تم بہت بڑے کوڑے باز ہو اور تمہارا کوئی کوڑا ابھی تو خالی نہیں گیا، سب کے سب تو میرے بھائی کے جسم پر لگے ہیں..... اب بس کرو....." فاروق مذاق اڑانے والے انداز میں کہتا چلا گیا۔

"فاروق..... تم احمق ہو۔" محمود نے جھلا کر کہا۔ ساتھ ہی اس نے پھرتی سے ایک طرف کو چھلانگ لگائی ورنہ اس مرتبہ کوڑا اس کی کمر چاٹ چکا ہوتا۔

"ہائیں! یہ کس بات سے ثابت ہو گیا..... کیا تمہارا مطلب ہے، میں بھی تمہاری طرح چھلانگیں لگاؤں، نہ بھئی! میں اتنا ماہر نہیں ہوں۔" فاروق نے پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

اچانک کوڑا محمود کے ہاتھ میں آ گیا۔ محمود اور صابر میں زور آزمائی ہونے

لگی۔ "صابر صاحب! بے کار اپنی طاقت ضائع کر رہے ہو..... یہ اسکول میں رسہ کشی میں ہمیشہ اوّل آتا رہا ہے..... بلکہ کئی بار انعام بھی حاصل کر چکا ہے۔"

صابر نے شرفو کی طرح جھٹکا دینے کی کوشش نہ کی، آخر محمود کو ہی چال چلنا پڑی..... کوڑا پوری طرح تنا ہوا تھا، اس لئے اس نے آہستہ آہستہ چھوڑنا شروع کر دیا..... صابر یہ سمجھا کہ کوڑا اس کے ہاتھ سے پھسل رہا ہے۔ اس کا چہرہ کھل اُٹھا اور جوش میں آ کر اس نے اور بھی زور صرف کر دیا۔ بس یہی وقت تھا جب محمود نے کوڑا ایک دم چھوڑ دیا اور صابر ایک درخت سے ٹکرایا۔

"کمال ہے..... تم لڑکے ہو یا کوئی بھوت۔" ایک ہیٹ والے نے کہا:

اے خبردار..... ہمیں بھوت کہنے کی دوبارہ کوشش ہرگز نہ کرنا..... ہم انسان ہیں اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے افضل بنایا ہے۔"

"فاروق تمہیں کب عقل آئے گی....." محمود نے بُرا سا منہ بنایا۔

"آ کر چلی بھی گئی۔" فاروق بولا:

"چلو ساجد..... ان دونوں لڑکوں کو بھی درختوں سے باندھ دو۔ اُنہوں نے ہمارا وقت برباد کیا ہے..... ہم انہیں بھی سزا دیں گے۔" یہ کہتے ہوئے اس نے پستول نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈال اس وقت محمود نے فاروق سے کہا:

"تم ہمیشہ وقت ضائع کرتے ہو۔ اس اچھل کود سے میرا مطلب صرف یہ تھا کہ تم اس موقعے سے فائدہ اُٹھا کر کوئی کام دکھا جاؤ..... مگر تم کھڑے باتیں کرتے رہے۔"

"میں باتیں کرتے کرتے ہی کام نکال لیتا ہوں..... باتوں کے دوران میں نے کالا علم بھی پڑھ ڈالا تھا۔ یہ دیکھو..... اس ہیٹ والے صاحب کا پستول کالے علم کی برکت سے اڑا لیا تھا..... اور وہ بھائی صاحب اسے اپنی جیب میں تلاش کر رہے

ہیں..... ہیں نا عقل مند۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے پستول جیب سے نکال کر ان کی طرف تان دیا اور بولا:

خبردار ہمیں باندھنے کا خیال تک دل میں نہ لانا، ورنہ کالا علم پڑھ کر پھونک مار دوں گا اور تم دھواں بن کر اُڑ جاؤ گے..... اپنے ہاتھ اوپر اُٹھا دو۔ یار محمود کہیں یہ لوگ یہ تو نہیں سمجھ گئے کہ ہمیں پستول چلانا نہیں آتا..... ارے باپ رے..... یہ میرے منہ سے کیا نکل گیا.....

"لعنت ہے..... انہیں یہ بتانے کی کیا ضرورت تھی۔" محمود نے منہ بنایا۔

"اوہ ساجد..... منگری..... پکڑ لو۔ انہیں..... یہ پستول چلانا نہیں جانتے۔ پہلے ہیٹ والے نے خوش ہو کر کہا:

"فاروق..... پہلے جب میں نے تمہیں بے وقوف کہا تھا اور تم نے پستول نکال کر دکھا دیا تھا تو میں اپنے الفاظ پر افسوس کیے بغیر نہ رہ سکا تھا مگر اب پھر میں کہتا ہوں کہ تم بے وقوف ہو۔"

"شکریہ۔ میرا اپنا بھی یہی خیال ہے....."

ابھی اس کے الفاظ پورے نہ ہوئے تھے کہ ساجد اور منگری کے سروں کے ہیٹ اُڑ گئے۔ اس کے ساتھ ہی دو فائر ہوئے تھے۔

وہ دھک سے رہ گئے..... ان کے قدم زمین پر جم سے گئے۔ ان کے ساتھ بیگم طاہر کریم اور صفیہ کی آنکھیں بھی اس طرح باہر کو اُبلی پڑ رہی تھیں، جیسے انہوں نے اس سے عجیب منظر آج تک نہ دیکھا ہو۔

"اور اب ہم انہیں باندھ کر دونوں ماں بیٹی سے ان پر کوڑے برسوائیں گے۔ کیوں محمود کیسا پروگرام ہے۔"

"بہت اچھا۔ اب انہیں باندھنے کی تیاری کرو۔" محمود نے کہا۔

"یہ تیاری تم ہی کرو تو اچھا ہے، کیونکہ اس وقت بھاگ دوڑ میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر میں نے پستول تمہارے حوالے کرنے کی کوشش کی تو ہو سکتا ہے، انہیں جھپٹ پڑنے کا موقع مل جائے..... اس لیے اگرچہ تم بڑے ہو..... پھر بھی باندھنے کا کام تم ہی کر لو۔"

"اچھا بابا۔" محمود نے ہنس کر کہا اور چکر کاٹتا ہوا ان کے پیچھے آ گیا۔

"چلو بھائیو..... تم اپنے ہاتھ پیچھے کر لو۔"

"مگر یار محمود..... ہم رسی کہاں سے لائیں گے۔"

"فکر نہ کرو....." محمود کی آواز سنائی دی۔

وہ اپنی جیب سے چاقو نکال کر بیگم طاہر کریم کی رسیاں کاٹ چکا تھا اور اب اس درخت کے گرد تیزی سے چکر لگا کر رسی کے بل اُتار رہا تھا۔

"واہ..... یوں لگ رہا ہے جیسے کوئی بیل ہل چلا رہا ہو۔" فاروق ہنسا۔

"اگر میں نے اُچھل کود کر تمہیں موقع نہ دیا ہوتا تو اس وقت تم چہک نہ رہے ہوتے، درخت سے بندھے ہوتے۔"

"خیر چہکتا تو میں اس وقت بھی۔ تم ذرا جلدی کرو، کہیں کوئی نئی مصیبت نہ آ جائے۔"

محمود رسی اُتار چکا تھا۔ اور بیگم طاہر کریم اب آزاد ہو کر ہاتھ پیر ہلا رہی تھیں۔ صفیہ ابھی تک بندھی ہوئی تھی۔ شرفو اور صابر کو باندھا۔ پھر وہ ساجد اور منگری کی طرف متوجہ ہوا۔ اس کے بعد اس نے آخری آدمی کو باندھتے ہوئے کہا:

"ان کے نام تو معلوم ہو گئے، لیکن تمہارا نام کیا ہے۔"

"مجھے، مختار کہتے ہیں، میں بہت جلد تم سے سمجھ لوں گا۔" اس نے غرا کر کہا۔

"دیکھو بھائی..... جہاں تک سمجھنے سمجھانے کا مسئلہ ہے، ہم نے اس سے پہلے

بھی بہت لوگ سمجھنے کی کوشش کر چکے ہیں، لیکن چونکہ ہم بہت نالائق ہیں، اس لیے کچھ
سمجھانے میں کامیاب ہی نہیں ہوتے.... ویسے نہ جانے کیا بات ہے.... آج مجھے
بے وقت بھوک لگ گئی ہے حالانکہ ابھی کھانے میں بہت دیر ہے.... بلکہ ابھی تو ہم
نے شام کی چائے بھی نہیں پی.... اوہ ہاں.... سمجھ گیا، دراصل بھوک مجھے مسز منگمری
کا نام سن کر لگی ہے۔'' فاروق شریر انداز میں کہتا چلا گیا۔

''کیا مطلب.... مسز منگمری کے نام سے بھوک کا کیا تعلق۔'' محمود نے
واقعی حیران ہو کر پوچھا۔

''دراصل مجھے منگمری بسکٹ یاد آ گئے ہوں گے....'' اور محمود کو ہنسی آ گئی۔ اتنی
دیر میں وہ پانچوں کو باندھ چکا تھا.... اور اب صفیہ کو کھول رہا تھا۔ اس کام سے فارغ
ہو کر وہ فاروق کی طرف مڑا۔ اسی وقت انہوں نے بیگم کریم کی آواز سنی۔

''تم دونوں کون ہو بچو.... میں نے آج تک اتنے دلیر اور پھرتیلے بچے نہیں
دیکھے....''

''ہم آپ ہی کے بیٹے ہیں.... اب ذرا آپ ایک ایک کوڑا پکڑ لیں.... اور
ان کے ساتھ وہی سلوک کریں، جو یہ آپ کے ساتھ کر چکے ہیں، اس کے بعد ہم گھر
چلیں گے اور راستے میں یہ ساری کہانی سنیں گے۔''

''نہیں بیٹا.... ہم سے یہ کوڑے نہیں چلائے جائیں گے۔ یہ دشمن ہی سہی
.... لیکن جب کوڑا ان کے جسم پر پڑے گا تو مجھے ہی تکلیف ہو گی۔''

''اور صفیہ بہن تم.... کیا تم بھی کوڑوں سے ان کی مرمت کرنا پسند نہیں کرو
گی۔'' محمود نے کہا۔

''نہیں بھیا۔'' صفیہ نے غمگین انداز میں مسکرا کر کہا:

''دیکھا تم نے ظالمو.... جن ماں بیٹی کو تم نے ظلم کا نشانہ بنایا ہے، وہ تم پر ہاتھ

اٹھانے میں بھی دُکھ محسوس کرتی ہیں.... لعنت ہے تم پر.... اب سسکتے رہو یہیں....
ہم کل پولیس کو لے کر یہاں آئیں گے۔ آیئے آنٹی چلیں۔''

اور یہ قافلہ پیدل ہی شہر کی طرف چل پڑا.... کوئی ایک گھنٹے بعد وہ بیگم طاہر
کریم کی کوٹھی کے سامنے پہنچ گئے.... محمود نے آگے بڑھ کر دروازے پر ہاتھ رکھا تو وہ
دھک سے رہ گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔

''جب یہ لوگ آپ کو پکڑ کر لے گئے تھے، تو کیا گھر میں کوئی اور بھی موجود تھا۔''
''نہیں تو، ہم دونوں تنہا رہتی ہیں۔ ایک ملازمہ صبح سویرے آ کر گھر کا کام کر
جاتی ہے اور شام کو پھر آ جاتی ہے.... شاید وہی آئی ہو گی۔'' بیگم طاہر کریم نے بتایا۔

''لیکن اسے دروازہ اندر سے بند کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔ کہیں اندر
کوئی اور نہ ہو۔''

''ہاں! یہ بھی ہو سکتا ہے.... پھر اب کیا کریں۔''

''میرے ذہن میں ایک تدبیر آئی ہے.... اس طرح ہم خطرے سے محفوظ
رہیں گے.... صرف میں دروازے پر دستک دوں گا، باقی لوگ پیچھے ہٹ جائیں
اور دیوار سے لگ کر کھڑے ہو جائیں۔ اگر کوئی خطرہ نہ ہوا تو میں آپ لوگوں کو آواز
دوں گا، ورنہ سر پر ہاتھ پھیروں گا، پھر آپ آگے نہ آیئے.... صرف فاروق آئے گا،
وہ بھی بعد میں۔'' محمود نے اپنا پروگرام بتایا۔

وہ پیچھے ہٹنے لگے.... کوٹھی کم آباد علاقے میں واقع تھی اور آس پاس سے اکا
دُکا راہگیر گزر جاتے تھے۔ آخر محمود نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔

تقریباً ایک منٹ بعد اس نے قدموں کی آواز سنی..... کوئی دروازہ کھولنے
آ رہا تھا۔

☆☆

زخمی آدمی کو دیکھ کر فرزانہ گھبرا گئی۔ اس کا سانس زور زور سے چل رہا تھا، رنگ ہلدی کی مانند زرد پڑ گیا تھا اور کوئی دم میں وہ گرا چاہتا تھا۔

''آپ۔ آپ.... کون ہیں۔'' فرزانہ ہکلائی۔

''تم.... تم.... تم کون ہو۔'' اجنبی نے الٹا سوال کیا۔

''میں فرزانہ ہوں.... اس گھر میں میری سہیلی صفیہ رہتی ہے۔ آپ کو کس سے ملنا ہے۔''

''میں اس گھر میں مہمان کی حیثیت سے ٹھہرا ہوا ہوں.... بیٹی مجھے راستہ دو.... میں.... میرا دم نکلا جا رہا ہے۔''

فرزانہ نے بوکھلا کر اس کا بازو تھام لیا.... پھر اسے سہارا دیتے ہوئے اندر لے آئی.... خون کی لکیر فرش پر بنتی چلی جا رہی تھی۔ اس نے اجنبی کو اندر لا کر ایک صوفے پر لٹا دیا اور اس کا زخم دیکھنے لگی۔ گولی پنڈلی پر لگی تھی اور گوشت چھیدتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی تھی.... فرزانہ نے اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں، پھر وہ بھاگتی ہوئی صفیہ کے کمرے میں داخل ہوئی۔ وہاں سے اس نے صفیہ کی ایک سوتی قمیض کو پٹی کی شکل دے کر اجنبی کی پنڈلی سے باندھ دیا.... وہ ابھی ہوش میں تھا اور ادھ کھلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا.... فرزانہ فارغ ہوئی تو اس نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا:

''شش.... شکریہ بیٹی۔''

''کیا میں ڈاکٹر کو فون کر دوں۔''

''ہاں۔ ضرور کر دو۔''

فرزانہ فون کی طرف بڑھی ہی تھی کہ اس نے اجنبی کے دھڑام سے گرنے کی آواز سنی.... وہ اس کی طرف دوڑی.... شاید وہ کروٹ لیتے ہوئے صوفے سے گر پڑا تھا.... یا خود کو سنبھال نہیں سکا تھا۔ فرزانہ نے اسے بمشکل سیدھا کیا.... اس کی

آنکھوں میں آنسو بھر آئے.... اس نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا:

''بب.... بیٹی.... شاید ڈاکٹر کو بلانے کا وقت.... گزر.... گگ.... گیا ہے.... میرا سانس اکھڑ رہا ہے.... فون کا خیال چھوڑ دو بیٹی.... اور جو میں کہتا ہوں، اسے غور.... سے.... سنو.... یہاں مہمان خانے میں میرا بب بیگ....''

اسے ایک ہچکی آئی اور گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ فرزانہ سکتے کے عالم میں رہ گئی۔ وہ اس بڑی سی کوٹھی میں اس وقت بالکل تنہا تھی اور اس کے سامنے ایک انسان کی لاش پڑی تھی.... جسے کسی نے گولی مار دی تھی.... شاید راستے میں اس کا خون بہت بہہ گیا تھا۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ کون ہے.... اس گھر سے اس کا کیا تعلق ہے.... اور.... وہ کیا بات تھی جو وہ کہنا چاہتا تھا.... اس نے کہا تھا.... ڈاکٹر کا خیال چھوڑ دو اور جو میں کہتا ہوں، اسے غور سے سنو.... پھر وہ صرف اتنا کہہ سکا.... یہاں مہمان خانے میں میرا بیگ۔

آخر وہ کیا کہنا چاہتا تھا.... کیا وہ کوئی بہت ہی اہم بات تھی.... اچانک اسے بیگ کا خیال آیا.... اس نے مہمان خانے میں پلنگ کے نیچے ایک بیگ دیکھا تھا.... کھال کا بیگ۔ وہ اچھل کر کھڑی ہو گئی اور مہمان خانے کی طرف دوڑی۔ اور پھر اس کا رنگ اُڑ گیا.... اسے یوں لگا جیسے وہ ابھی گرے گی اور بے ہوش ہو جائے گی۔

پلنگ کے نیچے بیگ نہیں تھا۔ اس نے سوچا.... اسے فوراً اپنے ابا جان کو بلانا چاہئے، اس نے گھڑی پر نظر ڈالی.... ابھی ان کے دفتر کا وقت ختم نہیں ہوا تھا.... پہلے وہ دروازے کی طرف گئی.... اس نے دروازہ اندر سے بند کیا اور پھر فون کی طرف بڑھی۔ اس نے دفتر کے نمبر ملائے۔ چپراسی نے بتایا کہ وہ دفتر میں موجود نہیں ہیں.... پھر اس نے جہانگیر بابر کا نام لیا اور کہا کہ وہ اس کے ساتھ اس کے گھر گئے

ہیں.... چپراسی کو جہانگیر بابر کے نمبر معلوم نہیں تھے.... اب فرزانہ کو.... ڈائریکٹری میں تلاش کرنا پڑا.... اس کام میں تقریباً پندرہ منٹ لگے۔ آخر نمبر مل گیا اور دوسری طرف سے کسی کی آواز سنائی دی۔ پھر اس سے پہلے کہ فون اس کے والد کے ہاتھ میں دیا جاتا.... دروازے کی گھنٹی بجی۔

عین اسی وقت دوسری طرف سے انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔

☆☆☆
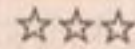
قاتل + مقتول

"تمہیں کیسے معلوم ہوا فرزانہ کہ میں یہاں ہوں اور تم کیا گھر سے بول رہی ہو۔"

"جی نہیں.... میں اپنی سہیلی کے گھر سے بول رہی ہوں۔ آپ فوراً یہاں آجائیے۔"

"کیوں۔ کیا بات ہے۔ خیر تو ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پریشان ہو کر کہا۔

"یہاں ایک عجیب و غریب حادثہ پیش آیا ہے۔"

"لیکن بیٹی.... میں بھی یہاں بہت مصروف ہوں۔ یہاں بھی ایک عجیب و غریب حادثہ پیش آیا ہے۔"

"وہاں آپ کے ساتھ انکل اکرام تو ہوں گے ہی..... آپ تھوڑی دیر کے لئے انہیں وہاں چھوڑ کر یہاں آجائیں..... کیونکہ مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا کہ کیا کروں۔ ادھر دروازے کی گھنٹی بج چکی ہے..... مجھے یہ بھی دیکھنا ہے کہ دروازے پر کون ہے....."

"اچھا.... میں آرہا ہوں۔" دوسری طرف انسپکٹر جمشید بولے۔

فرزانہ نے ریسیور رکھ دیا اور دروازے کی طرف بڑھی.... اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی.... یہ سب ہو کیا رہا ہے۔ آخر اس نے دروازہ

کھول دیا.... ساتھ ہی پیچھے ہٹتے ہوئے دیوار سے جا لگی اسطرح کہ باہر کھڑا ہوا شخص اسے دیکھ بھی نہیں سکا۔

"ہائیں..... کیا یہ جادو کا دروازہ ہے۔" اس نے محمود کی حیرت زدہ آواز سنی اور خود بھی بھونچکا رہ گئی۔

"کیوں..... کیا ہوا....." فاروق نے اس کی آواز سن کر کہا۔

"دروازہ آپ ہی آپ کھل گیا ہے اور مزے کی بات یہ کہ کھولنے والا کوئی نہیں ہے۔" محمود نے کہا۔

"چھوڑو یار..... ہوا کے جھونکے سے کھل گیا ہوگا۔" فاروق آگے آتے ہوئے بولا..... البتہ اس نے بیگم طاہر کریم اور صفیہ کو وہیں ٹھہرنے کا اشارہ کر دیا تھا۔

پھر دونوں اندر داخل ہوئے اور ایک ساتھ دیوار کی طرف مڑے۔ ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہاں فرزانہ کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ حیرت تھی۔"

"تم.... اور یہاں۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"تم.... کہیں تم فرزانہ کا بھوت تو نہیں ہو۔" فاروق نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا:

"اور تم یہاں کیسے پہنچ گئے۔" فرزانہ کے منہ سے نکلا:

"قدرت کے کھیل ہیں..... وہ جب چاہے.... جسے چاہے.... جہاں چاہے پہنچا سکتا ہے۔" فاروق نے شریر انداز میں کہا:

"ہاں.... تم ٹھیک کہتے ہو.... ابھی اللہ تعالی یہاں ابا جان کو بھی بھیجے گا۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا مطلب؟" محمود اور فاروق ایک ساتھ بولے:

"کس بات کا مطلب بتاؤں۔ میرے جملے میں کون سا لفظ مشکل ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہائیں.... یہ تم بول رہی ہو یا میں.... کہیں تمہارے اندر میری روح تو نہیں آ گئی....." محمود نے فوراً جواب دیا۔

"بھئی واہ۔ آج تو سب فاروق کی نقل اتارنے پر تُل گئے ہیں۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا:

"غلط کہتے ہو۔ مجھے نقل مارنے کی عادت نہیں۔"

"تو کیا یہ عادت فرزانہ کو ہے۔"

"میں لعنت بھیجتی ہوں نقل مارنے والوں پر۔ نقل مارنے سے بہتر ہے آدمی فیل ہو جائے۔"

"یہ ہم کیا لے بیٹھے۔ پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ ہم سب یہاں کس طرح جمع ہو گئے۔" محمود نے کہا۔

"ہاں بالکل.... ہمیں نے کچھ لینے کی ضرورت ہے اور نہ بیٹھنے کی بس کھڑے کھڑے بات کر لیں گے اور پھر خدا حافظ کہتے ہوئے باہر نکل جائیں گے۔" فاروق نے کہا اور وہ مسکرا دیے۔

"میرا خیال ہے.... ابھی ہمیں اندر نہیں جانا چاہیئے۔"

"کیوں۔" محمود اور فاروق نے ایک ساتھ پوچھا۔

"فرزانہ .... تو یہ تمہارے بھائی محمود اور فاروق ہیں.... اب میں سمجھی .... کہ وہ سب کچھ کیسے ممکن تھا۔"

"کیا مطلب۔" فرزانہ نے حیران ہو کر کہا۔

"کیا بتاؤں فرزانہ.... آج تو تمہارے بھائیوں نے کمال ہی کر دیا...."

اور پھر اس نے ساری بات پوری تفصیل سے بتادی۔

"اب تم بتاؤ.... تم یہاں کس طرح پہنچ گئیں۔" محمود نے کہا:

"آج صفیہ اسکول نہیں آئی تھی، میں اس کی خیریت معلوم کرنے آگئی.... لیکن یہاں کوئی بھی نہیں تھا اور دروازہ اندر سے بند بھی نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر میں حیران ہوئی اور اندر داخل ہوگئی.... ویسے آنٹی.... یہ تو بتایئے.... کیا آج کل آپ کے گھر میں کوئی مہمان ٹھہرا ہوا ہے۔" فرزانہ نے انہیں بتاتے ہوئے بیگم طاہر کریم سے پوچھا:

"ہاں ہاں بیٹی۔ کیوں کیا بات ہے۔" بیگم طاہر کریم بوکھلا کر بولیں:

"آپ کے مہمان.... ابھی تھوڑی دیر پہلے آئے تھے۔"

"کہاں ہیں وہ؟" بیگم طاہر کریم اور صفیہ کے منہ سے ایک ساتھ نکلا:

"مجھے افسوس ہے...." فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"کیا مطلب؟" ان کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

اسی وقت جیپ رُکنے کی آواز سنائی دی، وہ دروازے پر آگئے۔ دوسری طرف سے انسپکٹر جمشید جیپ سے اُتر کر لپکتے ہوئے آتے نظر آئے۔ فرزانہ پر نظر پڑتے ہی انہوں نے کہا:

"ہاں.... فرزانہ کیا بات ہے.... ارے.... یہاں تو محمود اور فاروق بھی موجود ہیں.... تم نے مجھے ان کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔"

"یہ ابھی ابھی آئے ہیں ابا جان.... کیسے آئے ہیں، یہ خود ہی بتادیں گے۔"

"اور تم یہاں تک کیسے آئی ہو۔" انہوں نے پوچھا۔

فرزانہ نے انہیں مختصر طور پر بتایا اور پھر انہیں لے کر اندر کی طرف چلی۔

"آخر تم ہمیں کیا دکھانا چاہتی ہو۔" بیگم طاہر کریم نے کہا۔

"ابھی آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ ہی لیں گی۔"

آخر وہ انہیں لے کر اس کمرے میں آگئی جس میں لاش پڑی تھی.... اور پھر بیگم طاہر کریم اور صفیہ کے منہ سے چیخیں نکل گئیں.... انسپکٹر جمشید، محمود اور فاروق بھونچکے رہ گئے۔

"یہی آپ کے مہمان ہیں نا۔" فرزانہ نے اداس لہجے میں کہا۔

انہوں نے بیگم طاہر کریم اور صفیہ کی طرف دیکھا.... دونوں پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں اور ان کی سسکیاں کمرے میں گونجنے لگی تھیں۔

☆☆

تھوڑی دیر بعد سب حالات ایک دوسرے کو بتائے جاچکے تھے۔ آخر میں فرزانہ نے بتایا کہ مرنے سے پہلے مہمان نے صرف اتنا کہا، مہمان خانے میں میرا بیگ اور اسکے بعد ان کی روح پرواز کرگئی۔

"خدا جانے وہ کیا کہنا چاہتے تھے۔"

"یہ بات تو ان کا بیگ دیکھنے کے بعد معلوم ہو ہی جائے گی۔" محمود بولا۔

"جب میں اس گھر میں داخل ہوئی، اس وقت وہ بیگ پلنگ کے نیچے موجود تھا، لیکن وہ بالکل خالی تھا، پھر مہمان یہاں زخمی حالت میں آئے.... میں انہیں لے کر اندر آئی تو آتے ہوئے دروازہ اندر سے بند نہ کرسکی.... شاید اسی دوران کوئی شخص اندر داخل ہوا اور وہ بیگ اُٹھا کر چلتا بنا۔"

"اوہ۔ اس کا مطلب ہے.... معاملہ حد درجے الجھ کر رہ گیا ہے۔ خیر میں ذرا اکرام کو فون کر کے درختوں سے بندھے ان پانچوں آدمیوں کے بارے ہدایات دے دوں پوچھ گچھ کرنے پر ان سے بھی تو بہت سی کام کی باتیں معلوم ہوں گی۔ لیکن جو معلومات ہمیں بیگم طاہر کریم صاحبہ مہیا کرسکتی ہیں، کوئی دوسرا نہیں کرسکتا۔ ان کا بیان

ن ان کے خاوند کا دوست تھا اور ان کے پاس سے افریقہ سے آیا تھا.... وہ کیوں آیا تھا، یہ کسی کو معلوم نہیں .... بیگم صاحبہ ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں.... کیا آپ بتا سکتی ہیں، کہ یہ سب کیا چکر ہے.... آپ دونوں کا اس طرح رونا مجھے شک میں ڈال رہا ہے اور میں یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ آپ مہمان کو بہت اچھی طرح جانتی ہیں۔ آپ سوچ لیجئے.... ہمیں کچھ بتانا چاہتی ہیں یا نہیں، اتنے میں فون کرلوں۔"

انسپکٹر جمشید تو یہ کہہ کر فون کی طرف بڑھ گئے اور وہ سب سوچ میں گم ہو گئے۔ معاملہ ابھی تک کسی کی سمجھ میں نہیں آیا تھا.... کُل حالات کو ملا کر دیکھا جائے تو اس کی تفصیل صرف اتنی بنتی تھی کہ طاہر کریم کاروبار کی غرض سے افریقہ گیا ہوا تھا.... وہاں سے ایک آدمی ان کے گھر آیا اور اسے نے بتایا کہ وہ طاہر کریم کا دوست ہے اور کچھ دن یہاں ٹھہرے گا.... انہوں نے اسے مہمان رکھ لیا، ایک دن جب کہ مہمان گھر سے باہر تھا، ان کے گھر میں رات کے وقت کچھ لوگ آ گھسے اور ان دونوں کو پکڑ کر لے گئے.... وہ انہیں جنگل میں لے گئے اور درختوں سے باندھ کر کوڑے برساتے ہوئے یہ معلوم کرنے لگے کہ مہمان دراصل کون ہے، اس کا ان لوگوں سے کیا تعلق ہے اور یہ کہ وہ کیا کچھ لے کر آیا ہے۔ اس جنگل میں محمود اور فاروق درختوں پر چڑھنے کی مشق کر رہے تھے۔ انہوں نے چیخ کی آواز سنی تو ادھر متوجہ ہو گئے اور آخر محمود کی ذہانت کے باعث وہ انہیں شکست دینے میں کامیاب ہو گئے۔ انہیں درختوں سے باندھ کر ماں بیٹی کو گھر لے آئے، لیکن یہاں فرزانہ موجود تھی جس کی موجودگی میں مہمان زخمی حالت میں آیا اور پھر مر گیا.... اس نے مرتے وقت صرف بیگ کا لفظ منہ سے نکالا، لیکن اب بیگ بھی وہاں نہیں تھا۔ دوسری طرف انسپکٹر جمشید انہیں یہ بتا چکے تھے کہ وہ جہانگیر بابر کی کوٹھی گئے تھے، وہاں ایک اجنبی گھس آیا تھا، پھر اس کے پیچھے دوسرا آدمی آیا.... انہوں نے ایک دوسرے پر فائر کر دیے، اس طرح پہلا تو وہیں مارا گیا، دوسرا

جس کی ٹانگ پر گولی لگی تھی.... وہ بھاگ نکلا....

وہ سوچ میں گم تھے کہ انسپکٹر جمشید واپس آ گئے۔ اسی وقت محمود نے کہا۔

"ابا جان مجھے ایک خیال سوجھا ہے۔"

"شکر ہے، دو نہیں سوجھے...." فاروق بول اُٹھا۔

"خاموش رہو.... دیکھتے نہیں، یہاں ایک لاش پڑی ہے۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"اوہ ہاں.... یہ تو میں بھول ہی گیا تھا، معاف کرنا لاش جی۔" اس نے گڑگڑا کر کہا۔

"ہاں محمود۔ تم کیا کہہ رہے تھے۔" انسپکٹر جمشید نے اس کی بات پر کوئی توجہ دیے بغیر کہا۔

"جہانگیر بابر کے گھر جن دو آدمیوں کی جھڑپ ہوئی ہے.... ان میں سے ایک کی ٹانگ پر گولی لگی تھی.... ہمارے مہمان کی بھی ٹانگ پر گولی لگی ہے.... کہیں وہ یہی تو نہیں تھے۔"

"اوہ۔ یہ خیال مجھے ابھی تک نہیں آیا تھا۔ اس کا مطلب ہے.... جہانگیر بابر کو یہاں بلانا ہوگا، تا کہ وہ شناخت کر سکے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا اور ایک بار پھر فون کی طرف جھپٹے۔

آدھ گھنٹے بعد وہاں جہانگیر بابر بھی پہنچ گیا۔ پھر جونہی اس کی نظر لاش کے چہرے پر پڑی۔ اس نے چلا کر کہا:

"وہ...... یہی تھا...... جس نے میرے گھر میں اس آدمی پر گولی چلائی تھی اور اس پر بھی گولی چلائی گئی تھی۔"

☆☆☆

مہمان کون تھا

وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ معاملہ ہر لمحے پُر اسرار ہوتا جا رہا تھا۔ سر پیر کا پتا ہی نہیں چل رہا تھا.... آخر انہوں نے جہانگیر بابر کو رُخصت کر دیا۔ پھر انسپکٹر جمشید بیگم طاہر کریم کی طرف مُڑے۔

"اب آپ بتائیے.... یہ کون صاحب ہیں.... ان کا آپ سے کیا تعلق ہے، یہ میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ آپ دونوں صرف ایک مہمان کے لیے اس بُری طرح نہیں رو سکتیں.... ضرور اس مہمان سے آپ کا قریبی تعلق ہے.... پولیس کو فون کیا جا چکا ہے.... اس کے آنے سے پہلے پہلے بتا دیں، تا کہ میں حالات کو سمجھ سکوں۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید سوالیہ نظروں سے بیگم طاہر کریم کی طرف دیکھنے لگے....

"آپ کا خیال درست ہے.... آپ کے سامنے جس شخص کی لاش پڑی ہے، اس سے ہمارا بہت قریبی تعلق ہے۔" بیگم طاہر کریم نے کہا۔

"وہی میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"میرے شوہر آج سے دس سال پہلے افریقہ گئے تھے.... انہیں ایک دوست کا خط ملا تھا۔ اس خط میں کیا تھا، یہ مجھے آج تک معلوم نہیں سکا.... بس انہوں نے خط پڑھتے ہی افریقہ جانے کا پروگرام بنا لیا.... اور ایک دن وہ رخصت ہو گئے.... اس وقت صفیہ صرف تین سال کی تھی.... افریقہ سے انہوں نے خط لکھا کہ وہ افریقہ پہنچ

گئے ہیں اور ایک بہت منافع بخش کاروبار شروع کر دیا ہے.... چند سال یہاں گزار کر وطن واپس آ جائیں گے.... انہوں نے یہ بھی نہ لکھا کہ کاروبار کس قسم کا تھا.... ہم ان کا انتظار کرتے رہے.... ننھی صفیہ کی آنکھیں باپ کی راہ تکتے نہ تھکتیں.... لیکن وہ نہ آئے.... البتہ اُن کے خط آتے رہے.... پھر ایک دن انہوں نے خط میں لکھا۔ بہت جلد ہم دُنیا کے مال دار ترین انسان بن جائیں گے.... ہمارا گھرانہ ساری دُنیا سے زیادہ دولت مند ہوگا،، میں یہ پڑھ کر حیرت زدہ رہ گئی.... بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ہم ساری دُنیا سے زیادہ مال دار بن جائیں، دُنیا میں تو ایک سے بڑھ کر ایک دولت مند آدمی موجود ہے.... مجھے شک گزرا کہیں میرے شوہر پاگل تو نہیں ہو گئے.... میں پریشان رہنے لگی.... پھر ایک دن انہوں نے لکھا.... اب میں بہت جلد وطن واپس آنے والا ہوں.... اور اپنے ساتھ دولت کے انبار لے کر آؤں گا۔

ہم اس دن کا انتظار کرنے لگے.... مجھے اور میری بیٹی کو دولت کا نہیں، اُن کا انتظار تھا.... آج سے چند دن پہلے یہ صاحب ہمارے گھر آئے اور انہوں نے بتایا کہ وہ طاہر کریم کے دوست ہیں اور کچھ دن یہاں ٹھہریں گے، میں نے ان کے لیے ایک کمرہ ٹھیک کر دیا.... میں نے ان سے اپنے شوہر کے بارے میں بہت سے سوالات کیے، لیکن یہ کچھ بھی نہ بتا سکے، بس یہی کہتے رہے.... وہ بہت جلد یہاں آ جائیں گے.... ہماری بے چینی میں اور اضافہ ہو گیا.... پھر کل یہ گھر سے نکلے تو ہمیں سوتے میں کچھ لوگ اُٹھا کر لے گئے.... اب ہم ان کے چُنگل سے بچ کر آئے ہیں تو یہاں ان کی لاش پڑی ملی ہے.... کچھ سمجھ میں نہیں آتا.... یہ کیا ماجرا ہے۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئیں۔

"اور انہوں نے اپنے بیگ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا؟" انسپکٹر جمشید نے سوال کیا۔

"جی نہیں.... اس میں تھا ہی کیا.... صفیہ کے سامنے انہوں نے بیگ کو خالی کر دیا تھا.... اس میں کپڑوں اور شیو کے سامان کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔"

"شیو کا سامان!" انسپکٹر جمشید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا.... پھر لاش پر ایک نظر ڈالی، چہرے پر بال کافی بڑھ آئے تھے.... یوں لگتا تھا، اس نے دو تین ہفتوں سے شیو نہیں بنائی۔ اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی:

"یہ ضرور پولیس والے ہوں گے.... جاؤ محمود.... دیکھو۔" محمود واپس آیا تو اس کے ساتھ واقعی پولیس کے آدمی تھے.... انہوں نے انسپکٹر جمشید کو سلام کیا اور اپنا کام کرنے لگے.... انگلیوں کے نشانات.... لاش کی پوزیشن کی تصویریں.... گولی کے نشان کی تفصیل اور تصویریں لی گئیں۔ فارغ ہوئے تو انسپکٹر جمشید نے ان سے کہا:

"آپ کو ایک کام اور بھی کرنا ہوگا۔"

"جی فرمائیے۔" سب انسپکٹر بولا۔

"لاش کے چہرے کی شیو کرنی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"جی!!!" نہ صرف سب انسپکٹر بلکہ محمود، فاروق، فرزانہ، بیگم طاہر کریم اور صفیہ بھی چونک اٹھے۔ پھر بیگم طاہر کریم چلائیں:

"نہیں نہیں.... ایسا نہ کیجئے۔ خدا کے لیے ایسا نہ کیجئے۔"

"کیوں۔ آپ کو کیا اعتراض ہے۔" انسپکٹر جمشید نے بولے۔

"اس طرح لاش کی بے حرمتی ہوگی۔" بیگم طاہر کریم نے کہا۔

"نہیں.... قانون کے تقاضے پورے کرنے میں کوئی بے حرمتی نہیں ہے۔ ہمیں ایسا کرنا ہی ہوگا.... ہم لاش کا اصل چہرہ دیکھنا چاہتے ہیں.... آپ لوگ میرا منہ کیا دیکھ رہے ہیں.... شیو کا بندوبست کریں۔"

بیگم طاہر کریم ساکت رہ گئیں.... وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی لاش کی طرف

دیکھتیں اور کبھی انسپکٹر جمشید کی طرف۔ تھوڑی دیر بعد لاش کی شیو بنائی جا رہی تھی.... اور سب لوگ یہ دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ بالوں کے ہٹنے کے ساتھ ساتھ لاش کے چہرے سے کھال بھی اترتی جا رہی تھی.... کھال جو مصنوعی تھی.... آخر چہرہ صاف ہو گیا....

بیگم طاہر کریم کے منہ سے ایک چیخ نکلی.... ان کی آنکھوں میں خوف اور دہشت کے سائے تیرنے لگے۔

اب ایک بالکل نیا چہرہ ان سب کے سامنے تھا.... دوسری طرف انسپکٹر جمشید کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلتی جا رہی تھی۔

☆☆

"یہ.... یہ ماجرا کیا ہے۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"شاید اس کیس کے سر پیر کا پتا کبھی نہیں چلے گا۔" فاروق بولا۔

"چلے گا کیسے نہیں.... اب تو صاف نظر آ رہا ہے کہ یہ بہت جلد حل ہو جائے گا۔" فرزانہ بولی۔

"تم تینوں کیا سمجھتے ہو.... یہ کس کی لاش ہے۔" انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی.... یہ.... یہ اسی مہمان کی لاش ہے اور کس کی ہو سکتی ہے۔" فاروق نے ہونقوں کی طرح کہا۔

"فرزانہ تمہارا کیا خیال ہے۔"

"جی وہی.... جو فاروق کا ہے۔"

"شاباش.... بہن ہو تو ایسی۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"اور محمود.... تم کیا کہتے ہو۔"

"جی میں.... میں فاروق سے شاباش وصول نہیں کر سکوں گا۔"

"یعنی تمہارا خیال کچھ اور ہے۔"

"جی ہاں۔" اس نے کہا۔

"تو پھر بتاؤ نا۔ کیا خیال ہے؟"

"میرا خیال ہے۔ بیگم طاہر کریم صاحبہ کچھ چھپا رہی ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"یہ کیا بات ہوئی.... ابا جان پوچھ لاش کے بارے میں رہے ہیں اور تم بتا بیگم صاحبہ کے بارے میں رہے ہو.... شاید اس کو کہتے ہیں، سوال گندم جواب چنا...." فاروق نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"فاروق تم نہ بولو۔" انسپکٹر جمشید نے اسے ڈانٹا۔

"آپ کا مطلب ہے.... یہاں میرے علاوہ اور سب بول سکتے ہیں۔"

"میں نے کہا تھا تم نہ بولو۔"

"جی اچھا.... اب نہیں بولوں گا.... اگر آپ کو میری آواز اتنی ہی بُری لگ رہی ہے۔" اس نے غمگین ہو کر کہا۔

"یہ بات نہیں.... ہم اس وقت ایک بہت اہم گفتگو کر رہے ہیں۔"

"جی بہتر۔ اب نہیں بولوں گا۔"

"محمود.... تمہارا یہ خیال تو بالکل ٹھیک ہے.... کہ بیگم طاہر کچھ چھپا رہی ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیا چھپا رہی ہیں۔"

"جی۔ یہ تو یہی بتا سکتی ہیں۔"

"غلط.... میں بھی بتا سکتی ہوں۔" فرزانہ بول اُٹھی۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"یہ انہیں بہت پہلے پہچان چکی تھیں.... یا مہمان نے خود ہی آ کر ساری حقیقت بتا دی ہوگی۔" فرزانہ نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"شاید تم ٹھیک کہتی ہو.... کیوں محمود.... فاروق تم بھی کچھ سمجھے ہو یا نہیں۔"

"جی نہیں.... ابھی تک تو کوئی بات پلے نہیں پڑی۔" فاروق نے کہا۔

"اور نہ پڑے گی....." فرزانہ جھٹ سے بولی۔

"بڑی خوش فہمی میں مبتلا ہو تم اپنے بارے میں.... آخر ایسی کون سی بات تم نے بتائی ہے.... صرف یہ نا کہ بیگم طاہر کریم اس شخص کو پہلے ہی پہچان چکی تھیں.... پھر اس بات سے کیا ثابت ہوتا ہے۔"

"ابا جان.... کیا میں بتا دوں۔"

"ہاں۔ بتانا ہی پڑے گا۔ یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ کہیں تم خالی پیلی رعب تو نہیں جھاڑ رہیں۔" انسپکٹر جمشید کی بجائے فاروق بول اٹھا۔

"تو پھر سنو.... اس وقت ہمارے سامنے جو شخص لاش کی صورت میں پڑا ہے، وہ اس گھر کا مہمان نہیں ہے۔"

"مہمان نہیں ہے.... تو کیا میزبان ہے۔" محمود ہنسا۔

"ہاں۔ میزبان ہی ہے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا مطلب؟ محمود اور فاروق زور سے اچھلے۔ پولیس کے آدمیوں نے بھی فرزانہ کی بات کو حیرت زدہ انداز میں سنا تھا.... فرزانہ نے فوراً ہی کہا:

"مطلب یہ کہ یہ بذاتِ خود طاہر کریم ہیں.... اس گھر کے مالک.... صفیہ کے باپ اور آنٹی کے شوہر۔ جو دس سال پہلے افریقہ چلے گئے تھے۔"

ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

☆☆☆

فاروق کی الجھن

سب سکتے کے عالم میں بیگم طاہر کریم کے گھور رہے تھے۔ پھر اس گہری خاموشی میں انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری:

''میں جانتا ہوں.... آپ کو یہ بات شروع سے ہی معلوم تھی مگر آپ کے شوہر نے منع کر دیا تھا کہ کسی کو نہ بتائیں.... چنانچہ جب آپ یہاں سے جنگل لے جایا گیا تو کوڑے کھانے کے باوجود آپ نے کچھ نہیں بتایا.... میں آپ کی ہمت کی داد دیتا ہوں .... اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اس سے زیادہ آپ کو کچھ معلوم نہیں.... لیکن ان کے مرنے کے بعد تو آپ کو کچھ نہیں چھپانا چاہیے تھا۔'' یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید خاموش ہو گئے۔

''میں ان کے مرنے کے بعد بھی اپنے وعدے پر کار بند رہنا چاہتی تھی۔'' بیگم طاہر کریم نے روتے ہوئے کہا:

''خیر.... اب آپ آرام کریں.... یہاں سے ہمارا کام شروع ہوتا ہے .... ہم بہت جلد یہ معلوم کر لیں گے کہ ان پر گولی کس نے چلائی تھی اور کیوں۔ اور افریقہ میں کیا چکر چل رہا ہے۔ اب ہم چلیں گے۔ لاش کچھ دیر کے لیے پوسٹ مارٹم کی غرض سے جائے گی، پھر آپ کو مل جائے گی.... ہم آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔''

''آپ کا بہت بہت شکریہ؟'' انہوں نے کہا۔

وہ چلنے کے لیے کھڑے ہو گئے تو فرزانہ نے کہا۔

''صفیہ میں ابھی تھوڑی دیر تک واپس آجاؤں گی اور ایک دو دن تمہارے ساتھ گزاروں گی....'' صفیہ نے بھی ان کا شکریہ ادا کیا اور وہ باہر آگئے:

''اب تم تینوں کا کام صرف اتنا ہے کہ اس بیگ کو تلاش کرو۔''

''جی.... ہم تلاش کریں۔'' محمود نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

''ہاں۔ جب تک اسے تلاش نہیں کر لیا جاتا، اصل راز سے پردہ نہیں اٹھے گا۔''

''لیکن ابا جان.... وہ تو بالکل خالی تھا۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ دیکھنا میرا کام ہے کہ بیگ کی اہمیت کیا ہے۔'' انہوں نے کہا:

''لیکن ہم اسے کہاں تلاش کر سکتے ہیں۔''

''حالات تمہارے سامنے ہیں، ان پر غور کرو اور بیگ ڈھونڈ نکالو، اگر تم بیگ تلاش نہ کر سکے تو میں تمہاری اچھی طرح خبر لوں گا۔''

''جی!!!'' تینوں حیران رہ گئے، پھر محمود نے کہا:

''اس کے لیے شاید ہمیں کسی کے گھر میں غیر قانونی طور پر داخل ہونا پڑے۔''

''پروا نہیں.... اگر تم پکڑے گئے تو میں تمہیں چھڑا لوں گا۔''

''تب آپ مطمئن رہیں.... ہم بہت جلد اسے تلاش کر لیں گے۔'' فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

''جی ہاں.... ایک سرے سے شروع ہو جائیں گے۔ لوگوں کے گھروں میں گھسنا.... کسی نہ کسی گھر میں تو بیگ مل ہی جائے گا۔'' فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

''اگر تمہاری جان نکلی جا رہی ہے تو تم ہمارے ساتھ نہ چلنا۔'' محمود بولا۔

''میرے بغیر تو تم ضرور ہی لوگوں کے گھروں میں داخل ہونے میں کامیاب

ہو سکو گے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تمہارا خیال ہے، پائپوں پر صرف تم ہی چڑھنا جانتے ہو۔" محمود کو غصہ آ گیا۔

"نہیں۔ تم دونوں بھی جانتے ہو۔ مگر اس کام میں جو مہارت مجھے حاصل ہے، وہ تم دونوں کو نہیں۔"

"خیر اس کا بھی مقابلہ کسی دن ہو جائے گا۔" محمود نے کہا۔

"مقابلہ تو تمہارا آج بھی ہوا تھا۔" فرزانہ نے شوخ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب.... اچھا میں سمجھ گیا.... تمہارا اشارہ ان پانچ بدمعاشوں کی طرف ہے جنہیں ہم درختوں سے باندھ آئے تھے.... واقعی.... ان لوگوں سے تو ہمارا بہت ہی مزے دار مقابلہ ہوا تھا۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"میں اس مقابلے کی بات نہیں کر رہی.... میری مراد تو اس مقابلے سے ہے، جو تم دونوں کے درمیان ہوا تھا۔" فرزانہ نے شریر لہجے میں کہا۔

"یہ کب کی بات ہے بھلا۔" فاروق نے چونکتے ہوئے کہا۔

"آج بعد دوپہر کی.... جب تم دونوں درختوں پر چڑھنے کی مشق کر رہے تھے۔"

"تو.... تو کیا تم وہاں موجود تھیں۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"میں کیوں موجود ہوتی وہاں.... میرے تو وہاں فرشتے بھی نہیں تھے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"تو پھر.... تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ ہم دونوں میں مقابلہ ہوا تھا۔" فاروق نے تیز لہجے میں کہا۔

"اگر آدمی کے پاس عقل ہو تو وہ بہت سی باتیں گھر بیٹھے بھی معلوم کر سکتا ہے۔"

"ہاں! یہ تو خیر ہمیں معلوم ہے کہ تمہارے پاس عقل موجود ہے۔" محمود نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"مرچیں نہ چباؤ.... گھر جا کر آئینے میں اپنی صورتیں دیکھ لینا۔ تمہارے بالوں میں ابھی کچھ گھاس پھوس کے تنکے رہ گئے ہیں، اگرچہ تم نے کپڑوں اور بالوں کو اچھی طرح جھاڑا تھا۔"

"اوہ! تو یہ بات ہے.... دراصل ہم یونہی جھگڑ پڑے تھے۔" فاروق جھینپ گیا۔

"بہت خوب فرزانہ۔ آخر تم نے انہیں پکڑ ہی لیا۔" انسپکٹر جمشید ہنسے۔ "میں نے بھی انہیں دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ آج دونوں میں جھپٹ ہوئی ہے.... تم دونوں یہ تو بتاؤ.... مقابلے میں پلا کس کا بھاری رہا۔" انسپکٹر جمشید مسکراتے ہوئے کہتے چلے گئے۔

"جی.... وہ.... دراصل ہمارے پاس پلا تھا ہی نہیں، بھاری کیا رہتا۔" فاروق نے مسمسی صورت بنا کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے.... محمود نے فاروق کی خوب پٹائی کی ہے۔"

"نہیں فرزانہ.... فاروق مجھ سے کمزور ثابت نہیں ہوا.... اس نے میرا بڑی جوان مردی سے مقابلہ کیا اور آخر تک ڈٹا رہا۔" محمود نے اعتراف کیا۔

"خیر.... اب کسی دن میرا اور اس کا مقابلہ ہو گا۔" فرزانہ بولی۔

"آج ہی کر لیتے ہیں۔" فاروق بول پڑا۔

"پہلے اس کیس سے نبٹ لو۔ ابھی تو اس کیس میں بھی مقابلہ ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"وہ تو مجرموں سے ہو گا.... اور ان کے مقابلے پر ہم متحد ہوں گے۔"

"ویسے کیا تم اس وقت تک کوئی اندازہ لگا سکے ہو۔" انہوں نے پوچھا۔

"جی نہیں.... ہماری تو عقلیں دنگ ہیں کہ یہ ہو کیا رہا ہے.... جھگڑا کس چیز پر ہے.... طاہر کریم کو گولی کس نے ماری.... خود طاہر کریم نے جسے گولی ماری، وہ کون

تھا.... ان کا آپس میں کیا متعلق تھا۔" محمود کہتا جا رہا تھا کہ انسپکٹر جمشید نے ٹوک دیا:

"اس کا نام تو خیر میں بتا دیتا ہوں.... فیروز کالا کے نام سے مشہور تھا اور بنکوں میں ڈاکا ڈالنے میں ماہر تھا۔ ایک بنک میں ڈاکا ڈالتے وقت پکڑا گیا تھا اور اسے سات سال قید کی سزا ہوئی تھی.... ابھی ایک آدھ سال پہلے ہی وہ رہا ہوا ہوگا کہ میں نے آج اس کی لاش دیکھ لی۔"

"اب سوال یہ ہے کہ دونوں جہانگیر بابر کے گھر کس طرح پہنچ گئے.... کیا یہ صرف ایک اتفاق تھا۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں.... یہ ایک بہت ضروری سوال ہے اور اگر تم اس سوال کا جواب معلوم کر لو تو یہ سمجھ لو، پورا کیس حل کر لو گے...."

"بھئی واہ۔ یہ تو کلیہ معلوم ہو گیا۔" فاروق خوش ہو کر بولا۔

"ابا جان.... آج رات ہم بیگ کی تلاش کے سلسلے میں جہانگیر بابر کے مکان میں داخل ہوں گے۔ کیا ہمیں اجازت ہے؟"

"میں نے پہلے ہی تمہیں کھلی چھٹی دے دی ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن میں تم دونوں کے ساتھ نہیں جا سکوں گی.... میں آج رات صفیہ کے ساتھ رہوں گی، وہ بہت اُداس ہوگی۔"

"ٹھیک ہے.... میں اور محمود چلے جائیں گے.... تم تو یوں بھی ڈرتی ہوگی کہ نہ جانے اندر کیا حالات پیش آئیں۔" فاروق نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"ڈرتی ہے میری جوتی۔" فرزانہ نے جل بھُن کر کہا۔

"تمہاری جوتی بھی عجیب ہے.... اسے ڈرنا بھی آتا ہے۔" فاروق ہنسا۔

"ہو سکتا ہے.... آنٹی کے گھر میں بھی رات خیریت سے نہ گزرے۔ فرزانہ نے کچھ سوچ کر کہا اور انسپکٹر جمشید چونک اُٹھے۔ انہوں نے کہا:

"ہاں! اس کا بھی امکان ہے.... تمہیں چوکس رہنا ہوگا۔"

☆☆

رات تاریک اور سرد تھی.... سردیوں میں یوں بھی رات کے نو بجے ہی آدھی رات کا سماں ہوتا ہے۔ ایسے میں دو سائے جہانگیر بابر کی کوٹھی کی طرف بڑھ رہے تھے۔

"یار آج تو سردی بہت ہے۔ کیوں نہ پروگرام کل پر ملتوی کر دیں۔" فاروق کی دبی آواز محمود کے کانوں سے ٹکرائی۔

"اور اگر کل سردی اس سے بھی زیادہ ہوئی تو تم کہو گے.... کیوں نہ آج بھی پروگرام ملتوی کر دیا جائے.... ظاہر ہے کہ سردی ابھی دو تین مہینے سے پہلے نہیں جائے گی اور مجرم اتنے شریف نہیں ہوتے کہ سراغ کا دو تین ماہ تک انتظار کرتے رہیں.... لہٰذا آج ہی بہتر رہے گا۔" محمود کہتا چلا گیا۔

"توبہ ہے.... تم تو بال کی کھال ہی اتار لیتے ہو۔" فاروق نے ناگوار انداز میں کہا۔

"یہ کام مجھ سے بہتر تم کر لیتے ہو۔" محمود دھیرے سے مسکرایا۔

"بس ہم اسے اُڑا لائیں گے.... وہ پہلے ہی چرائی ہوئی چیز ہے، لہٰذا کوئی اس کی رپورٹ تو درج کرائے گا نہیں۔" محمود نے کہا۔

چند منٹ بعد وہ جہانگیر بابر کی محل نما کوٹھی سے کچھ فاصلے پر کھڑے تھے۔ اس کے بعد انہوں نے کوٹھی کا چکر لگانا شروع کیا:

"یار کہیں کوٹھی میں کتے نہ ہوں۔" فاروق بولا۔

"دن کے وقت ابا جان یہاں آ چکے ہیں، اگر کتے ہوتے تو وہ ہمیں ان کی موجودگی سے ضرور آگاہ کرتے۔ اس لیے اس طرف سے تو بے فکر ہو جاؤ۔" محمود بولا۔

آخر فاروق کو ایک پائپ مل ہی گیا۔ یہ چھت تک جا رہا تھا۔ اس نے پائپ پر

دونوں ہاتھ جماتے ہوئے کہا۔

"تم بھی پائپ کے ذریعے آؤ گے یا میں نیچے اُتر کر صدر دروازہ کھولوں۔"

"اگر دروازہ کھول دو تو زیادہ اچھا ہوگا۔ آخر ہمیں فرار بھی تو ہونا ہے۔"

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔ اچھا تم صدر دروازے پر پہنچو۔ میں اندر جا کر دروازہ کھولتا ہوں.... اگر دروازہ پانچ منٹ تک نہ کھلے تو سمجھ لینا کہ میں پھنس گیا ہوں۔ اس صورت میں جو تمہارے جی میں آئے کرنا۔"

"کرنا کیا ہے.... چپ کر کے گھر چلا جاؤں گا اور جا کر سو جاؤں گا...." محمود نے ہنس کر کہا۔

"ٹھیک ہے.... پھر دوسرے دن ابا جان کو ساتھ لے کر میری لاش لینے کے لیے تو آؤ گے ہی۔"

فاروق نے یہ کہا اور تیزی سے اوپر چڑھنے لگا۔ پائپوں پر چڑھنے میں اسے بڑی مہارت تھی.... بس بندروں کی سی پھرتی سے چڑھتا چلا جاتا تھا اور نیچے کھڑا ہوا آدمی حیران ہو جاتا تھا۔ لیکن بھلا محمود کو حیران ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ اسے فاروق کی ایک ایک بات کا پتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ فاروق منڈیر تک پہنچ گیا ہے تو وہ صدر دروازے کی طرف چل پڑا اور پھر.... دھک رہ گیا....

دروازے پر ایک پٹھان چوکیدار ٹہل رہا تھا۔ عجیب بات یہ تھی کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ یہاں موجود نہیں تھا۔ شاید اس کی ڈیوٹی ابھی ابھی شروع ہوئی تھی۔

☆☆☆

جہانگیر بابر

فاروق چھت پر پہنچ گیا تو اس نے زینے کا رُخ کیا.... زینے کے بعد ایک برآمدہ تھا، اس میں زیرو کا بلب جل رہا تھا.... فاروق بہت گھبرایا، روشنی میں وہ دیکھ لیا جاتا، لیکن اب پیچھے بھی نہیں ہٹا جا سکتا تھا۔ آخر اس نے اپنے اندازے کے مطابق صدر دروازے کی طرف بڑھنا شروع کر دیا.... اب وہ دروازہ کھول دے گا اور محمود کو اندر آنے کا اشارہ کرے گا، پھر وہ دونوں اندر بیگ کو تلاش کریں گے....

اس خوشی میں اس نے دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ اُٹھایا اور پھر.... دھک سے رہ گیا.... پھاٹک تو باہر سے بند تھا.... اندر کی چٹخنی تو لگی ہوئی تھی ہی نہیں.... جب کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ پھاٹک اندر سے بند تھا، وہ سوچنے لگا.... اب کیا کرے۔ اگر اندھیرا ہوتا تو بہت کچھ کیا جا سکتا تھا.... لیکن ان حالات میں وہ بے بس ہو چکا تھا۔ آخر اس نے ایک فیصلہ کیا.... اس نے اپنا منہ پھاٹک کے درمیانی حصے سے لگایا اور دھیرے سے بولا:

"محمود.... دروازہ باہر سے بند ہے.... کھول کر اندر آ جاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ پیچھے ہٹ آیا.... فوراً ہی پھاٹک کھلا اور فاروق کا رنگ اڑ گیا۔ اس کے سامنے ایک پٹھان چوکیدار کھڑا اسے خونخوار آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

"تم کون ہو؟"

"بھوت!" فاروق نے ڈرے بغیر کہا:

"کیا بکتا ہے.... تم بھوت ہے.... اتنا چھوٹا بھوت۔" پٹھان نے حیرت بھرے لہجے میں کہا:

"کیوں.... کیا بھوت چھوٹے نہیں ہو سکتے۔ آخر بھوتوں کے بچے بھی تو ہوتے ہیں۔" اس طرح ہونٹ ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم اندر کیسے آیا.... دروازہ تو باہر سے بند تھا اور ہم باہر کھڑا تھا.... ہم نے تو تم کو اندر آتے دیکھا نہیں۔"

"بھوت جہاں جی چاہے داخل ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو نظر بھی نہیں آتے، خان تمہیں اتنا بھی نہیں معلوم۔"

"مجھے تو تم کوئی چور لگتا ہے۔" پٹھان نے کہا۔

"خبردار.... اگر مجھے چور کہا.... بھوت چور نہیں ہوتے۔"

"میں کچھ نہیں جانتا.... تمہیں بابر صاحب کے سامنے چلنا پڑے گا۔"

پٹھان بولا۔

"تمہارا مطلب ہے.... شہنشاہ ظہیر الدین بابر کے سامنے.... وہ اس زمانے میں کہاں سے آ گیا۔"

"او خوچہ.... تم باتیں بہت کرتا ہے.... ہم شہنشاہ ظہیر الدین بابر کی نہیں اپنے جہانگیر بابر کی بات کرتا ہے۔"

"ایک بابر نام ہی کیا کم تھا کہ اس کے ساتھ جہانگیر بھی لگ گیا.... ویسے ایک شخص میں دو مغل بادشاہ کیسے جمع ہو گئے۔" فاروق نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

"پتا نہیں.... تم کیا بکواس کر رہا ہے۔ چلو.... آگے آگے چلو.... اگر بھاگنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔" اس نے کہا اور بندوق فاروق کی طرف تان

لی۔

"گولی بے شک مار دو.... بھاگوں گا ہرگز نہیں۔"

"چلو چلو۔ تم کوئی باتونی چور لگتا ہے۔"

"اچھا بھائی۔ اگر تم مجھے چور ہی ثابت کرنے پر تل گئے ہو تو میں بھی چور بن کر دکھاؤں گا۔" فاروق نے کندھے اُچکائے اور اس کے آگے آگے چلنے لگا.... کئی منٹ تک برآمدوں میں چلنے کے بعد وہ ایک کمرے کے سامنے آئے پٹھان نے اُسے رُکنے کے لیے کہا.... یہ شاید ہال کمرے کا دروازہ تھا، کیوں کہ دوسرے کمروں کے دروازوں سے بہت بڑا تھا۔ پٹھان نے آگے بڑھ کر دروازہ دھکیلا اور فاروق کو بھی ایک دھکا دیا:

"یار دھکے تو نہ دو۔" فاروق نے جھلا کر بلند آواز میں کہا۔

اس کی آواز ہال میں گونج کر رہ گئی۔ ہال میں موجود سب لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے.... ان کی آنکھیں فاروق پر جم کر رہ گئیں۔ ہال میں اس وقت آٹھ نو آدمی موجود تھے.... جو ایک میز کے گرد جمع تھے اور اس میز کے بیچوں بیچ مگرمچھ کی کھال کا ایک بیگ رکھا تھا۔

"گل خان! یہ کون ہے۔" جہانگیر بابر کی دھاڑ نے ہال کو جھنجنا کر رکھ دیا۔

"ساب.... یہ لڑکا ہے۔" پٹھان نے بوکھلا کر کہا۔

"وہ تو ہم بھی دیکھ رہے ہیں.... تم اسے یہاں کیوں لائے ہو۔"

"یہ کوٹھی کے اندر موجود تھا۔ خدا معلوم کیسے اندر گھس گیا شاید یہ کوئی چور ہے۔"

"غلط.... میں چور نہیں ہوں۔ دروازہ تو باہر سے بند تھا، پھر میں اندر کیسے داخل ہو سکتا تھا.... میں تو پھاٹک کے باہر موجود تھا، شاید خان صاحب نسوار بہت

کھاتے ہیں۔ نسوار کے نشے میں شاید انہوں نے یہ سمجھا کہ میں کوٹھی کے اندر ہوں۔ بس یہ مجھے پکڑ کر یہاں لے آئے۔"

"او خو چہ...... ہم نسوار ضرور کھاتا ہے...... لیکن نشے میں کبھی نہیں ہوتا۔"

"گل خان...... جس وقت تم نے دروازہ کھولا تو یہ لڑکا اندر تھا یا باہر......" جہانگیر بابر نے پوچھا۔

"اندر تھا ساب......" اس نے جواب دیا۔

"تب یہ ٹھیک ہی کہتا ہے...... تم ضرور نشے میں ہو گے...... جاؤ اسے باہر چھوڑ آؤ...... اس کی صورت چوروں جیسی نہیں ہے۔"

"بہت اچھا ساب...... چلو بھئی......" پٹھان نے فاروق سے کہا۔

فاروق چلنے کے لئے مڑا، اسی وقت ہال میں موجود ایک آدمی نے اُٹھ کر جہانگیر بابر کے کان میں کچھ کہا۔ وہ چونکا، اس نے بلند آواز میں کہا:

"ٹھہر جاؤ خان...... میں اس لڑکے سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔" دونوں اس کی آواز سن کر مڑے۔

"لڑکے...... کیا تمہارا نام فاروق ہے...... اور تم انسپکٹر جمشید کے بیٹے ہو......"

"جی ہاں...... یہ ٹھیک ہے......"

"اوہ! تب تو گل خان کا بیان ہی ٹھیک لگتا ہے...... خان اسے ساتھ والے کمرے میں لے جا کر بند کر دو۔ یہ ہمارے گھر میں غیر قانونی طور پر داخل ہوا ہے، ہم صبح اسے پولیس کے حوالے کریں گے۔"

"صبح کی بجائے ابھی پولیس کے حوالے کر دیں تو فائدے میں رہیں گے...... صبح تک تو آپ پر حبس بے جا میں رکھنے کا کیس بن جائے گا...... میں کہہ چکا ہوں...... گل خان نشے میں ہوگا۔"

"دیکھا جائے گا...... خان اسے لے جاؤ......"

"میں اگر چاہوں...... تو یہ خان مجھے اس حال کیسے باہر نہیں لے جا سکتا، لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا کہ کسی بے گناہ کو چوٹ آئے، اس لئے جا رہا ہوں۔ لیکن تھوڑی دیر بعد پھر یہاں آؤں گا۔"

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے۔" جہانگیر بابر ہنسا۔

"پاگل تم خود ہو...... تم خود چور ہو اور مجھے پولیس کے حوالے کرنے کی دھمکیاں دے رہے ہو...... کیا یہ بیگ جو میز پر رکھا ہے، چوری کا نہیں ہے...... کیا تم نے اسے اپنے آدمیوں کے ذریعے طاہر کریم کے گھر سے نہیں اُٹھوایا۔"

فاروق کے الفاظ سن کر وہ سکتے میں رہ گیا۔ اب فاروق ان کے لیے ایک مسئلہ بن چکا تھا...... آخر جہانگیر بابر کے منہ سے نکلا۔

"اس لڑکے کے بارے میں تو سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا...... گل خان اس وقت تو اسے لے جاؤ، ہم سوچیں گے کہ کیا کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال دھیان رکھنا...... یہ عام لڑکا نہیں ہے...... بہت خطرناک ہے۔"

"اچھا ساب...... چلو۔" گل خان نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا۔ تھوڑی دیر بعد فاروق کو ایک کمرے میں بند کیا جا چکا تھا اور وہ سوچ رہا تھا...... نہ جانے محمود کیا قدم اُٹھائے۔

☆☆

محمود نے فاروق کی آواز سن لی تھی...... پھر اس نے پٹھان کو اندر داخل ہوتے بھی دیکھا تھا اور جب گل خان فاروق کو لے کر اندر گیا تو پھاٹک کو اندر سے بند کرنا بھول گیا تھا، بھلا اس موقعے سے محمود کیوں فائدہ نہ اُٹھاتا...... اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ...... اندر داخل ہو گیا...... اور دبے پاؤں اس سمت میں چل پڑا جس طرف تھوڑی دیر

پہلے گل خان اور فاروق گئے تھے.... کیوں کہ گل خان جب اندر داخل ہوا تو دروازہ
تھوڑا سا کھلا رہ گیا تھا اور اس نے جھری میں سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا تھا۔

آخر وہ ایک ہال تک پہنچ گیا.... اس میں سے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی
دیں.... فاروق کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی.... تھوڑی دیر بعد اس نے قدموں
کی آواز دروازے کی طرف آتے سُنی۔ وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اور دیوار کے ساتھ
لگ کر کھسکنے لگا۔ پھر:

ایک نیم تاریک گوشے میں پہنچنے میں کامیاب ہو گیا.... اس نے دیکھا
فاروق کمرے سے نکل رہا تھا اور اس کے پیچھے گل خان تھا جس کے ہاتھ میں بندوق
تھی اور بندوق کی نالی کا رُخ فاروق کی کمر کی طرف تھا۔

ایک بار پھر وہ ان کے پیچھے چل پڑا.... اس نے دیکھا، خان فاروق کو ایک
کمرے میں بند کر رہا تھا.... چند لمحوں بعد پٹھان دروازے کی طرف جا چکا تھا اور محمود
اس کمرے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ فاروق
آرام سے ایک کرسی پر بیٹھا مسکرا رہا تھا.... "تم تو اس طرح مطمئن بیٹھے ہو جیسے یہ
ہمارے گھر کا ڈرائنگ روم ہے۔"

"تو پھر کیا کروں۔ میں جانتا تھا تم آنے ہی والے ہو۔" اس نے دبی آواز
میں کہا۔

"اب کیا پروگرام ہے۔" محمود نے پوچھا۔

"بیگ یہاں موجود ہے.... بس بیگ چرائیں گے اور اپنے گھر چلیں
گے۔" فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

"واہ۔ کتنا پیارا پروگرام ہے۔" محمود مسکرایا۔

"میرا خیال ہے.... ہمیں اس کمرے سے نکل چلنا چاہیے.... کہیں ایسا نہ

ہو کہ پٹھان ادھر آ جائے اور دروازہ کھلا دیکھ لے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے.... آؤ نکل چلیں۔"

دونوں اُٹھے اور کمرے سے باہر نکلے۔ محمود نے چٹخنی بھی لگا دی تا کہ پٹھان
ادھر سے گزرے تو یہی سمجھے کہ فاروق اندر بند ہے، اس نے فاروق کے کان میں کہا:

"کیوں نہ ہم اوپر چھت پر چلیں.... جب یہ سب لوگ سونے کے لیے چلے
جائیں گے تو ہم ہال میں جا کر بیگ اُٹھا لیں گے۔"

"ٹھیک ہے.... چھت سے بہتر ہمارے لیے کوئی جگہ نہیں.... آرام سے
لیٹ تو سکتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"لیٹنے کی تو کوشش بھی نہ کرنا۔ اگر تمہیں نیند آ گئی تو جگانا مشکل ہو جائے گا۔"

"وہ چھت پر آ گئے اور نیچے اندھیرا ہونے کا انتظار کرنے لگے.... آخر دو
گھنٹے بعد انہوں نے پھاٹک کھلنے کی آواز سنی.... دونوں نے منڈیر سے جھک کر دیکھا
.... وہ لوگ جو ہال میں موجود تھے، جا رہے تھے.... اس کا مطلب یہ تھا کہ اب کوٹھی
میں جہانگیر بابر کے سوا اور کوئی نہیں تھا....

انہوں نے کچھ دیر تک اور چھت پر ہی رہنے کا فیصلہ کیا.... تا کہ جہانگیر بابر
بھی سو جائے۔ آخر ایک گھنٹے بعد وہ نیچے اُترے۔ اب برآمدہ بھی تاریک تھا.... لیکن
وہ ہال کا راستہ دیکھ چکے تھے، اس لیے اندھیرے میں بھی چلتے رہے.... ہال کا دروازہ
مقفل نہیں تھا۔ انہوں نے چٹخنی گرائی اور اندر داخل ہو گئے.... کمرے میں گھُپ
اندھیرا تھا....

"کیا خیال ہے۔ لائٹ آن کریں۔" فاروق نے سرگوشی کی۔

"اگر اندھیرے میں ہی ہم بیگ کو تلاش کر لیں تو زیادہ اچھا ہے۔" محمود
بولا۔

وہ ٹٹولتے ہوئے ہال کے درمیان پہنچے .... ان کے ہاتھ کرسیوں سے ٹکرائے، پھر میز تک پہنچ گئے .... انہوں نے ہاتھوں سے پوری میز کو ٹٹول ڈالا لیکن بیگ میز پر نہیں تھا۔

"معلوم ہوتا ہے.... انہوں نے بیگ کہیں اور رکھ دیا ہے۔" محمود نے سرگوشی کی۔

"تو پھر ہمیں لائٹ جلانی پڑے گی۔"

"بیگ میرے ہاتھ میں ہے۔"

ایک آواز اندھیرے میں گونجی۔ دونوں زور سے اچھلے ساتھ ہی کمرہ روشن ہو گیا۔ ان کے سامنے جہانگیر بابر کھڑا تھا اور اس کے ہاتھ میں وہ بیگ بھی موجود تھا، لیکن بائیں ہاتھ میں۔ کیوں کہ دائیں میں تو پستول تھا جس کی نالی کا رُخ ان دونوں کی طرف تھا۔

☆☆☆

چھینکیں مارنے والے

فرزانہ شام کے سات بجے ہی صفیہ کے ہاں پہنچ گئی تھی دونوں ماں بیٹی کا رو رو کر بُرا حال تھا۔ پڑوسی جو تعزیت کے لیے تمام دن آتے رہے تھے، جا چکے تھے.... لاش ابھی تک واپس نہیں کی گئی تھی۔ خیال تھا کہ صبح تک ملے گی.... پڑوس سے آیا ہوا کھانا کھا کر وہ اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے.... فرزانہ کو جو کمرہ ملا تھا، اس کی ایک کھڑکی سڑک کی طرف کھلتی تھی۔ اس نے وہ کھڑکی کھول لی اور باہر جھانکنے لگی۔ اکا دُکا کاریں اور موٹر سائیکل وغیرہ گزر رہے تھے....

اچانک ایک کار آ کر بیگم طاہر کریم کے گھر کے سامنے رُکی۔ فرزانہ اچانک اٹھی اور بغور نیچے دیکھنے لگی۔ کار میں سے دو آدمی اُترے اور دروازے کی طرف بڑھنے لگے جلد ہی گھنٹی کی آواز سنائی دی، فرزانہ سوچنے لگی۔ اب کیا کیا جائے، نہ جانے یہ کون لوگ ہیں.... دوست ہیں یا دشمن.... یہ بھی ہوسکتا ہے کہ طاہر کریم کے دوست ہوں اور تعزیت کے لیے آئے ہوں، اس لیے دروازہ تو کھولنا ہی پڑے گا۔ پھر اس نے ایک فیصلہ کیا.... اپنے کمرے کی لائٹ بجھا دی اور دروازہ تھوڑا سا کھول کر بیٹھ گئی.... آخر بیگم طاہر کریم دروازے کی طرف جاتی نظر آئیں.... انہیں آج کئی حادثات سے دوچار ہونا پڑا تھا.... اس لیے فوراً دروازہ نہیں کھولا:

"کون ہے۔" انہوں نے پوچھا۔

"ہم ہیں طاہر کریم کے دوست۔ ہمیں ان کے وفات پانے کی خبر ملی ہے۔"

باہر سے کہا گیا۔

"آپ کے نام کیا ہیں۔"

"جبار اور ممتاز خان۔"

"آپ پہلے تو کبھی نہیں آئے۔" بیگم طاہر کریم نے کہا۔

"جب تک وہ ملک میں رہے، ہم دوسرے شہر میں تھے.... اس لیے ملاقات کی غرض سے آنا نہیں ہوا۔ ویسے مرحوم سے ہماری خط و کتابت ضرور تھی۔"

"اچھی بات ہے۔ میں دروازہ کھولتی ہوں۔"

فرزانہ نے یہ جملہ سنا تو پریشان ہو گئی، کیوں کہ وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ باہر طاہر کریم کے دوست نہیں، دشمن موجود ہیں.... لیکن اب وہ کچھ کر بھی تو نہیں سکتی تھی۔ کیوں کہ بیگم طاہر کریم چٹخنی گرا چکی تھیں۔ دوسرے ہی لمحے وہ دونوں اندر داخل ہوئے۔ انہوں نے ایک ساتھ کہا:

"السلام علیکم بھابھی۔"

"وعلیکم السلام۔ آیئے ڈرائنگ روم میں چلتے ہیں۔"

"شکریہ بھابھی۔"

ان کے ڈرائنگ روم کی طرف جانے کے بعد فرزانہ کمرے سے نکلی.... پہلے وہ صفیہ کے کمرے میں آئی.... وہ ابھی سوئی نہیں تھی۔ اس نے صفیہ کے کان میں کہا:

"دو آدمی آئے ہیں.... میں ڈرائنگ روم کے دروازے یا کھڑکی سے اندر ہونے والی گفتگو سننے کی کوشش کرتی ہوں۔ تم اگر میری چیخ کی آواز سنو تو فوراً گھر سے نکل جانا.... لیکن نہیں.... ایک ترکیب اور بھی ہو سکتی ہے.... فون کہاں ہے...."

"امی کے کمرے میں۔"

"بس ٹھیک ہے.... تم خود کو اس کمرے میں بند کر لو.... لیکن میری چیخ کی آواز سننے کے لیے کوئی کھڑکی کھول لینا.... جونہی چیخ کی آواز سنو.... بیگم شیرازی کے نمبر ڈائل کرنا اور ان سے کہنا.... فرزانہ کے ابا جان سے کہہ دیں.... ہم خطرے میں ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔ صفیہ نے سمجھ جانے والے انداز میں کہا:

"اور ہاں۔ فون کرنے سے پہلے کی کھڑکی بھی اندر سے بند کر لینا۔"

"بہت اچھا۔" اس نے کہا۔

"اب میں چلتی ہوں۔ ذرا دیکھوں تو سہی۔ وہ کیا چاہتے ہیں۔"

فرزانہ باہر نکل آئی اور صفیہ دروازے اور کھڑکیاں اندر سے بند کرنے لگی، البتہ اس نے ایک کھڑکی کی کھلی رہنے دی، اس کا رُخ ڈرائنگ روم کے دروازے کی طرف تھا۔

فرزانہ وہاں پہنچی تو اس نے آنے والے دونوں آدمیوں میں سے ایک کی کرخت آواز سُنی:

"جب ہم اس بیگ کو یہاں سے لے کر گئے، وہ خالی تھا۔ ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اس میں سے تم نے کیا کچھ نکالا تھا۔"

"میں کہہ چکی ہوں.... اس میں میرے شوہر کے کپڑوں اور شیو کے سامان کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں نکلا تھا۔"

"تم جھوٹ کہتی ہو.... صبح تم ہمارے آدمیوں کے ہاتھوں سے بچ گئی تھیں.... اور یہ سب ان دو لڑکوں کی وجہ سے ہوا تھا.... ان میں سے ایک تو اب ہمارے قبضے میں آ چکا ہے.... دوسرا بھی اسے تلاش کرتا ہوا وہاں تک پہنچ جائے گا...."

"ان کی ایک بہن بھی تو ہے۔" بیگم طاہر کریم نے عجیب سے انداز میں کہا..... اسی وقت ان کے دل سے دُعا نکلی..... خدا کرے فرزانہ جاگ چکی ہو اور اس نے ان دونوں کو اندر آتے ہوئے دیکھ لیا ہو۔

"ہوگی...... ہمیں کیا...... ہم تو صرف اس سے نمٹیں گے جو ہمارے راستے میں آئے گا۔" ایک نے کہا۔

"آخر یہ چکر کیا ہے...... تم کس چیز کی تلاش میں ہو......"

"تم ہم سے سوال کرنے کی بجائے ہمارے سوالات کے جواب دو۔" دوسرا بولا۔

"تم دونوں نے اپنے نام جبار اور ممتاز خان بتائے تھے نا......"

"ہاں! میں ممتاز خان ہوں اور یہ جبار ہے...... لیکن تمہیں اس سے کیا...... تم تو صرف اتنا بتا دو کہ بیگ میں سے کیا کچھ نکلا تھا۔"

"میں بتا چکی ہوں......" بیگم طاہر کریم نے کہا۔

"دیکھو...... ہمیں سختی پر مجبور نہ کرو...... صبح بھی تم کوڑے کھاتی رہی ہو...... میں نہیں چاہتا کہ پھر تم پر سختی کی جائے......" جبار نے کہا۔

"تو پھر صاف صاف لفظوں میں سنو۔ ہمیں اس ڈائری کی تلاش ہے...... جو تمہارے خاوند ساتھ لائے تھے اور جو تم نے یا اس نے کہیں چھپا دی ہے۔"

"ڈائری!" بیگم طاہر کریم نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا کیونکہ ڈائری کا لفظ وہ پہلی مرتبہ سن رہی تھی۔

"ہاں ڈائری..... اگر تم اپنے خاوند کی ڈائری ہمارے حوالے کر دو تو ہم فوراً یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"لیکن ان کے بیگ سے کوئی ڈائری نہیں نکلی تھی۔" بیگم طاہر کریم نے کہا اور

وہ دونوں جھلا اٹھے۔

"لیکن ہماری اطلاعات یہی ہیں کہ طاہر کریم کے بیگ میں ایک ڈائری بھی موجود تھی..... ہمیں بس اس ڈائری کی تلاش ہے....." جبار نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"تم میرے گھر کی تلاشی لے لو، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔" انہوں نے کہا۔

"ہم تلاشی لینے میں اپنا وقت کیوں ضائع کریں...... جب کہ تم بخوبی جانتی ہو کہ ڈائری کہاں رکھی ہے۔"

"یہ غلط ہے......" بیگم طاہر کریم چلائیں۔

"خیر ہم معلوم کر ہی لیں گے۔" ممتاز خان بولا اور اس نے جیب سے ایک رومال نکال لیا اور اس کے بعد وہ بیگم طاہر کریم کی طرف بڑھا۔

فرزانہ گھبرا گئی...... وہ اس رومال کا مطلب سمجھتی تھی...... اس نے ایک چیخ ماری اور اندر داخل ہو گئی، اس نے گرج دار آواز میں کہا:

"یہ تم کیا کر رہے ہو...... رومال جیب میں رکھ لو۔ بیگم طاہر کریم کو رومال کی ضرورت نہیں ہے۔" دونوں چونک کر مڑے اور فرزانہ کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"آنکھیں پھاڑ کر کیا دیکھ رہے ہو...... میں ان دو بھائیوں کی بہن ہوں جنہوں نے آج تمہارے پانچ آدمیوں کی چٹنی بنا دی تھی۔ ویسے تم نے کبھی چٹنی کھائی ہے۔"

"ہاں! اور اب تمہیں بھی کھلائیں گے۔" جبار نے کہا اور ممتاز خان سے بولا۔

"پہلے اس سے نبٹ لو...... بیگم طاہر کریم کی کوئی بات نہیں ہے...... سنا ہے، یہ تینوں بہن بھائی بہت شیطان ہیں...... ان میں سے ایک تو پہلے ہی ہمارے قبضے میں

آچکا ہے..... اب یہ پکڑی گئی..... باقی رہ گیا ایک..... تو اس سے بھی جلدی ہی سمجھ لیں گے۔"

ممتاز خان رومال لیے فرزانہ کی طرف بڑھا۔ فرزانہ جانتی تھی، جونہی رومال اس کی ناک سے لگا..... وہ چھینکیں مارتے مارتے بے دم ہو جائیگی اور پھر یہی حال بیگم طاہر کریم کا ہوگا اور بے دم ہونے کے بعد ان سے جو کچھ بھی پوچھا جائے گا، وہ فرفر بتا دیں گی۔ یہ ایک نئی قسم کی دوا تھی..... جو مجرموں سے سچ اگلوانے کے لیے بنائی گئی تھی، لیکن اب مجرموں کے ہاتھوں تک بھی پہنچ گئی تھی۔

فرزانہ گھبرائی نہیں، اپنی جگہ ساکت کھڑی رہی..... ممتاز خان اس کے اطمینان کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا..... پھر وہ جونہی اس کے قریب پہنچا، فرزانہ ذرا سا جھکی، اس کا ہاتھ ممتاز خان کے ہاتھ پر پڑا اور دوسرے ہی لمحے رومال فرزانہ کے ہاتھ میں تھا۔

"خبردار..... اگر تم نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو یہ رومال میں تمہارے ناک سے لگا دوں گی اور پھر جو ہوگا، وہ تم بھی جانتے ہو۔" اس نے تیز لہجے میں کہا۔

دونوں ٹھٹک گئے..... پھر دو طرف سے فرزانہ کی طرف بڑھنے لگے۔ بیگم طاہر کریم فرزانہ کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھیں۔ انہیں اسکی پھرتی پر حیرت تھی..... وہ سوچ رہی تھیں، یہ بھی اپنے بھائیوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

عین اس وقت دونوں فرزانہ کے نزدیک پہنچ گئے..... انہوں نے اپنے چہرے بچاتے ہوئے اپنے لمبے لمبے ہاتھوں سے فرزانہ کو گردن سے دبوچنے کی بھرپور کوشش کی مگر ان کے ہاتھ آپس میں ٹکرا کر رہ گئے..... فرزانہ دور کھڑی مسکرا رہی تھی۔

"اب بھی باز آجاؤ اور یہاں سے بھاگ جاؤ..... ورنہ مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔"

"اب تو تمہیں مصیبت میں پھنسا کر ہی جائیں گے۔" جبار بلند آواز میں بولا۔

"اچھا۔ یہ بات ہے..... تو پھر آؤ..... مجھے پکڑ لو۔" فرزانہ نے انہیں للکارا۔

اس مرتبہ دونوں نے وحشیانہ انداز میں حملہ کیا تھا اور یہی ان کی غلطی تھی..... فرزانہ جبار کی ناک سے رومال رگڑنے میں کامیاب ہوگئی اور وہ بھی اس خوبی سے کہ رومال اس کے ہاتھ میں ہی رہ گیا۔ بس پھر کیا تھا۔ جبار پر چھینکوں کا دورہ پڑ گیا..... فرزانہ ہوشیار تھی۔ اس نے جبار کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا..... ممتاز خان پر نظریں جمائے رہی..... لیکن اب شاید اس میں حملہ کرنے کی ہمت نہیں تھی..... وہ خوفزدہ ہو گیا تھا۔ فرزانہ نے یہ دیکھا تو خود آگے بڑھی۔ ممتاز خان نے بچنے کے لیے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی..... لیکن اس سے پہلے کہ وہ دوسری طرف گرتا، رومال اس کی ناک سے مس ہو چکا تھا۔ اب دونوں چھینکوں پر چھینکیں مار رہے تھے اور بے حال ہو رہے تھے۔ ان کی آنکھوں اور ناکوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ آنکھیں سرخ ہوتی جا رہی تھیں۔ اس وقت انسپکٹر جمشید کی آواز کمرے میں گونجی:

"یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیا ان لوگوں کو نزلہ ہو گیا ہے۔" وہ کمرے میں داخل ہو رہے تھے اور صفیہ ان کے پیچھے تھی۔

"جی ہاں..... یہ ہم پر نزلہ گرانے آئے تھے..... لیکن خود اس کا شکار ہو گئے۔" فرزانہ چہکی۔ "آپ کو صفیہ کا فون مل گیا تھا..... اوہ..... ہمیں پہلے فاروق اور محمود کی فکر کرنی چاہیئے۔" فرزانہ کو اچانک خیال آ گیا۔

"کیوں..... انہیں کیا ہوا۔"

"انہوں نے بتایا ہے کہ ان میں سے ایک پھنس چکا ہے۔"

"اوہ..... تب تم انہیں سنبھالو میں وہاں پہنچتا ہوں۔" ان میں اب اتنا دم خم

نہیں رہ جائے گا کہ تم ان دونوں کو باندھ نہ سکو۔"

"آپ فکر نہ کریں۔ جب واپس آئیں گے تو ان کے بنڈل آپ کو تیار ملیں گے۔"

"اچھا خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔"

انسپکٹر جمشید تیزی سے گھر سے نکلے اور جہانگیر بابر کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ انہیں یہ ہرگز امید نہیں تھی کہ وہ وہاں پھنس جائیں گے۔ ان کا تو یہی خیال تھا کہ وہ وہاں سے بیگ حاصل کر کے واپس آجائیں گے۔

☆☆☆
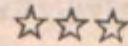
ڈائری کہاں ہے

"میں جانتا تھا.... تم اکیلے نہیں آئے ہو گے، تمہارا بھائی بھی کہیں آس پاس ہی ہوگا.... اور تم جلد ہی کمرے سے نکلنے میں کامیاب ہو جاؤ گے.... اس لیے میں یہاں تم دونوں کا انتظار کر رہا تھا.... کہو کیسی رہی۔" جہانگیر بابر بولا:

"بہت اچھی۔ آپ بہت ذہین ہیں.... ہمیں آپ جیسے ذہن آدمیوں سے مل کر بہت خوشی ہوتی ہے۔" فاروق نے چہک کر کہا۔ "اب کیا پروگرام ہے۔"

"تم دونوں شاید اس بیگ کی تلاش میں آئے ہو۔" جہانگیر بابر نے سوال کیا۔

"جی ہاں۔ بالکل یہی بات ہے۔" محمود بولا۔

"بیگ میز کے نیچے پڑا ہے.... اٹھا کر اسے دیکھ لو۔ اور اگر ساتھ لے جانا چاہو تو لے جا سکتے ہو۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف حیران ہو کر دیکھا.... جہانگیر بابر ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا.... ابھی تھوڑی دیر پہلے اس نے فاروق کو کمرے میں بند کرا دیا تھا.... اور اب وہ خود انہیں بیگ دیکھنے بلکہ لے جانے کی بھی دعوت دے رہا تھا۔ آخر محمود جھکا اور بیگ کھینچ لیا.... اس نے بیگ کو کھول ڈالا، وہ اس وقت بھی اسی طرح خالی تھا۔ جس طرح دن کے وقت فرزانہ کو بیگم طاہر کریم کے گھر میں خالی نظر آیا تھا۔

انہوں نے اسے اُلٹ پلٹ کر اچھی طرح دیکھا، لیکن اس میں کوئی خاص بات نظر نہ آئی۔ پھر مایوس ہو کر میز پر رکھ دیا اور جہانگیر بابر کی طرف مُڑے:

"یہ تو واقعی خالی ہے.... ہم اسے لے جا کر کیا کریں گے۔"

"تو تم کیا تم خالی ہاتھ جاؤ گے۔" جہانگیر بابر نے حیران ہو کر کہا۔

"خالی بیگ لے جانے سے بہتر ہے۔ خالی ہاتھ لوٹ جائیں اور پھر ہم اس طرح چیز لے جانے کے عادی نہیں.... ہم تو باقاعدہ مقابلہ کر کے یا چھین اور جھپٹ کر کے لے جانا پسند کرتے ہیں۔" محمود بولا۔

"مجھے افسوس ہے.... کہ تم دونوں آج یہاں سے مایوس لوٹ رہے ہو۔ ویسے میں تمہیں گرفتار بھی کرا سکتا ہوں، لیکن مجھے کیا فائدہ ہوگا اور تم مجھے نقصان بھی کیا پہنچا سکتے ہو۔"

"یہ بات نہیں.... آپ ہمیں اس لیے گرفتار نہیں کرانا چاہتے کہ خود آپ بھی زد میں آتے ہیں.... آپ اس بیگ کے بارے میں پولیس کو کیا بتائیں گے۔"

"یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے.... میں اسے پھر وہیں بھجوا دوں گا جہاں سے یہ اُٹھا کر لایا گیا ہے.... اس صورت میں مجھ پر کیا الزام لگایا جا سکے گا۔"

خیر.... آپ کا جو جی چاہے، کریں.... ہم چلتے ہیں۔" محمود نے کہا اور دونوں کمرے کے دروازے کی طرف مُڑے۔

"سنو! اپنے والد سے کہہ دینا.... اس چکر میں نہ پڑے۔ ورنہ بہت نقصان اُٹھانا پڑے گا.... اس کی ساری شہرت خاک میں مل جائے گی۔"

"ہمیں شہرت کی ضرورت نہیں.... اور جس چکر میں ہم ایک بار پڑ جاتے ہیں، اسے ختم کیے بغیر پیچھے نہیں ہٹ سکتے.... اور اس کیس میں تو اس لیے بھی پیچھے ہٹنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا کہ طاہر کریم ہماری بہن کی سہیلی کے والد تھے.... ہم ان کے قاتل کو ضرور پکڑ لیں گے۔"

افسوس۔ تمہاری یہ آرزو اب بھی پوری نہیں ہو سکتی.... کیا تمہارے والد نے تمہیں بتایا نہیں کہ طاہر کریم پر حملہ کرنے والا خود بھی اس کے ہاتھوں سے بچ نہیں سکا.... اس کی لاش آج میرے گھر کے ایک کمرے سے اٹھوائی گئی ہے...."

"ہمیں معلوم ہے.... لیکن یہ ضروری نہیں کہ جو آپ نے بیان دیا ہے، اسی طرح ہوا بھی ہو گا، ہو سکتا ہے، واقعات کچھ اور ہوں یا کسی اور طرح پیش آئے ہوں۔"

"اوہ۔ تو یہ بات ہے۔" جہانگیر بابر نے مسکرا کر کہا۔

"خیر اس کے باوجود میں تمہیں جانے کی اجازت دیتا ہوں۔ لیکن پھر بھی میرے گھر کا رُخ نہ کرنا۔"

دونوں باہر نکل آئے.... چوکیدار نے انہیں حیرت بھری نظروں سے دیکھا.... اور پھر اس کے منہ سے نکلا:

"بھبھوت.... بھوت.... یہ لڑکا تو واقعی بھوت ہے.... ہم نے اسے کمرے میں بند کیا تھا۔ یہ وہاں سے نکل آیا.... نکل ہی نہیں آیا.... اپنے ساتھ ایک اور بھوت کو بھی لے آیا ہے۔"

بندوق چوکیدار کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ دونوں دروازے سے ہوتے ہوئے سڑک پر آئے، اسی وقت انسپکٹر جمشید وہاں پہنچ گئے۔ اور انہیں دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا، کچھ دُور پیدل چلنے کے بعد وہ رُک گئے۔ محمود اور فاروق نے انہیں ساری بات بتائی۔ ساری بات سن کر انہوں نے کہا:

"تم نے غلطی کی.... بیگ ہر حال میں لے آنا چاہیے تھا.... خیر یہ کام اب میں کروں گا۔ تم یہیں ٹھہرو، میں ابھی آتا ہوں۔"

انہوں نے کہا اور کوٹھی کے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔"

☆☆

چوکیدار نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور خود جہانگیر بابر کو اطلاع دینے چلا گیا۔ فوراً ہی وہ کمرے میں داخل ہوا۔

"کمال ہے انسپکٹر صاحب۔ آپ کے بچے ابھی ابھی یہاں سے گئے ہیں.... اور اب آپ آ گئے ہیں۔ کیا آپ لوگ یہ چاہتے ہیں، میں ساری رات سو نہ سکوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ بیگ کہاں ہے۔" انسپکٹر جمشید نے اس کی بات پر دھیان دیے بغیر کہا۔

"میری کوٹھی کے ہال کمرے میں.... میز پر پڑا ہے.... ابھی ابھی تمہارے بچے اسے وہاں چھوڑ گئے ہیں، میں اس کا اچھی طرح جائزہ لے چکا ہوں۔ اس میں کچھ بھی نہیں ہے۔"

"تب پھر آپ اسے میرے حوالے کر دیں.... کیوں کہ وہ مقتول طاہر کریم کا بیگ ہے اور اب بیگم طاہر کریم کی ملکیت ہے۔"

"ضرور لے جائیں۔ مجھے اس کی ضرورت بھی نہیں۔" یہ کہہ کر جہانگیر بابر نے ملازم کو بلانے کے لیے گھنٹی بجائی۔ وہ آیا تو اس نے ہال میں سے بیگ اُٹھا لانے کا حکم دیا۔

تھوڑی دیر بعد انسپکٹر جمشید بیگ ہاتھ میں لٹکائے باہر نکل رہے تھے اور جہانگیر بابر اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ تینوں موٹر سائیکل پر بیٹھ کر طاہر کریم کے گھر کی طرف روانہ ہوئے.... رات کا وقت نہ ہوتا تو انسپکٹر جمشید کبھی دونوں کو اپنے ساتھ نہ بٹھاتے، لیکن اس وقت سڑکیں سنسان تھیں اور انہیں جلدی بھی تھی.... دُور دُور تک کسی رکشے یا ٹیکسی کا بھی نشان نہیں تھا۔

آخر وہ طاہر کریم کے گھر پہنچ گئے.... جبار اور ممتاز خان نیم بے ہوش پڑے تھے.... فرزانہ نے ان کے ہاتھ پیر رسیوں سے جکڑ دیے تھے۔ انسپکٹر جمشید نے بیگ

بیگم طاہر کو دکھاتے ہوئے کہا:

"کیا.... وہ بیگ یہی ہے؟"

"جی ہاں۔ بالکل یہی ہے۔"

"تو پھر اس میں تو کچھ بھی نہیں ہے.... آخر یہ بیگ مجرموں کی توجہ کا مرکز کیوں بنا ہوا ہے اور خود مرتے وقت طاہر کریم صاحب نے کیوں بیگ کا نام لیا تھا.... جب وہ فرزانہ کو کچھ بتانا چاہتے تھے لیکن موت نے انہیں مہلت ہی نہ دی۔"

"میں خود حیران ہوں۔"

"خیر.... پہلے میں پولیس کو فون کر دوں تاکہ وہ ان دونوں کو لے جا سکے.... اس کے بعد میں آپ سے درخواست کروں گا کہ اگر اب بھی آپ کچھ چھپا رہی ہیں تو خدا کے لیے فوراً بتا دیں، کیونکہ مقابلہ بہت بڑے آدمی سے ہے.... اور ہم اس کے خلاف اس وقت تک کچھ نہیں کر سکتے جب تک کہ پختہ ثبوت ہمارے پاس نہ ہو، لیکن اس کیس میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ اب تک ثبوت نام کی کوئی چیز ہاتھ نہیں لگی اور نہ اس کیس کے سر پیر کا کچھ پتا ہے.... خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ معاملہ کیا ہے.... میں نے حالات اور واقعات کی کڑیاں ملانے کی سرتوڑ کوشش کر ڈالی ہے، لیکن ابھی تک کامیاب نہیں ہوا۔"

"مجھے افسوس ہے.... میں نے جو کچھ آپ کو بتایا ہے، اس سے زیادہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔" بیگم طاہر کریم نے کہا۔

"لیکن آنٹی.... یہ دونوں حملہ آور کسی ڈائری کے بارے میں بھی تو معلوم کر رہے تھے۔" فرزانہ نے اعتراض کیا۔

"ہاں۔ پوچھ گچھ کر رہے تھے.... لیکن مجھے کسی ڈائری کے بارے میں ہرگز معلوم نہیں ہے۔"

"اوہ۔ میں سمجھ گیا۔" محمود زور سے اچھلا۔

"کیا مطلب؟" انسپکٹر جمشید حیرت زدہ رہ گئے، کیونکہ ان کی سمجھ میں یہ بات بالکل نہیں آئی تھی کہ محمود کیا سمجھ گیا ہے۔

"اگر انکل طاہر کریم اس گھر میں کوئی ڈائری لے کر آئے تھے اور وہ اب تک دشمنوں کے ہاتھ بھی نہیں لگی تو پھر..... اس کا مطلب صرف اور صرف یہ ہے کہ..." محمود کہتے کہتے رُک گیا۔

"اس کا مطلب صرف اور صرف یہ ہے کہ محمود اب شو مارنے کے موڈ میں ہے۔ اب وہ اٹک اٹک کر بتائے گا اور یہ ثابت کرے گا کہ وہ کس قدر ذہین ہے۔" فرزانہ نے جل بھن کر کہا۔

"نہیں..... میں اس لئے رُک گیا ہوں کہ یہاں دشمنوں کے دو ساتھی بھی موجود ہیں..... اور اگرچہ یہ نیم بے ہوش ہیں، تاہم ان کے کان نیم بے ہوش نہیں ہو سکتے..... یہ ضرور سننے کے قابل ہیں اور میں اتنا بے وقوف نہیں کہ ان کے سامنے بتا دوں۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ پولیس ان دونوں کو لے کر جائے اور یہ کسی طرح فرار ہونے میں کامیاب ہو جائیں..... اس صورت میں جہانگیر بابر کو بھی یہ بات معلوم ہو جائے گی اور یہاں ایک بار پھر ہنگامہ کھڑا ہو سکتا ہے۔" محمود پُر جوش انداز میں کہتا چلا گیا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو محمود..... آؤ ہم دوسرے کمرے میں چلیں۔" اور وہ دوسرے کمرے میں آ گئے۔ سب کی نظریں محمود پر جمی تھیں..... فاروق اور فرزانہ کو اس پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ بتانے میں کیوں دیر لگا رہا ہے۔ آخر محمود نے کہا:

"اس کا مطلب صرف اور صرف یہ ہے کہ ڈائری اس گھر میں ہی کسی جگہ موجود ہے۔"

"اوہ.....!" وہ دھک سے رہ گئے۔

بالکل سامنے کی بات تھی لیکن شاید ان کے ذہن تھک گئے تھے۔

"تو پھر دیکھتے کیا ہو۔ ڈائری کی تلاش شروع کر دو۔ یاد رکھو..... تمہیں اس ڈائری کو تلاش کرنا ہے..... ڈائری ملنے کی دیر ہے..... پھر مجرم بچ کر نہیں جا سکتا۔" انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

تھوڑی دیر بعد پولیس دونوں حملہ آوروں کو لے کر جا چکی تھی اور وہ بڑی چابکدستی سے گھر کی ایک ایک چیز کی تلاشی لے رہے تھے۔ اس کام میں انسپکٹر جمشید، بیگم طاہر اور صفیہ بھی ان کا ساتھ دے رہے تھے۔ ہر ایک کی کوشش یہی تھی کہ ڈائری اسے ملے۔

یہ تلاش اس کمرے سے شروع ہوئی تھی، جس کمرے میں طاہر کریم بطور مہمان ٹھہرے تھے..... پھر جب زبردست تلاش کے بعد بھی ڈائری اس کمرے میں نہ ملی تو پوری کوٹھی کو چھان مارنے کا فیصلہ ہوا۔ اس میں رات کا بڑا حصہ گزر گیا۔ یوں لگتا تھا جیسے آج ان سب کی نیند ہوا ہو گئی ہو..... ان سے کوسوں دور چلی گئی ہو اور جب تک ڈائری نہیں مل جاتی..... اس وقت کسی کو نیند نہیں آئے گی..... دوسری طرف ڈائری تھی کہ کسی کو مل ہی نہیں رہی تھی۔ آخر سب تلاش کر کے تھک گئے۔ کوٹھی کا ہر کمرہ دیکھ لیا گیا..... ایک ایک چپے کا جائزہ لے لیا گیا۔ وہ سب مایوس ہو گئے..... لیکن انسپکٹر جمشید ذرا بھی مایوس نہیں تھے۔ انہوں نے پختہ یقین کے لہجے میں کہا:

"میرا خیال ہے کہ ہمیں مہمان خانے کو ایک بار پھر غور سے دیکھنا چاہیے..... کیونکہ زیادہ تر امکان یہی ہے کہ ڈائری اسی کمرے میں ہے۔"

"لیکن ابا جان..... ہم اس کمرے کو بہت اچھی طرح دیکھ چکے ہیں۔"

"اس کے باوجود میں اسے ایک بار پھر دیکھوں گا۔" انہوں نے اٹل لہجے میں کہا۔

وہ مہمان خانے میں آئے اور اُلٹ پلٹ کرنے کی بجائے عقل کے گھوڑے دوڑانے لگے.... کمرے کے ایک ایک انچ کو بغور دیکھنے لگے۔ اچانک انسپکٹر جمشید کی آواز نے ان سب کو چونکا دیا:

"میں سمجھ گیا ہوں کہ ڈائری کہاں ہے۔"

"تو پھر جلدی بتائیے نا۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"ڈائری میری آنکھوں کے سامنے ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

"آپ کی آنکھوں کے سامنے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا:

"آپ کی آنکھوں کے سامنے تو آتش دان ہے۔"

"ہاں.... اور آتش دان پر ایک گڑیا ہے.... ذرا دیکھو تو.... یہ گڑیا کتنی بڑی ہے.... کیوں صفیہ.... یہ تمہارے ابو افریقہ سے لائے تھے نا۔"

"جی ہاں۔ کیوں۔"

"وہ ڈائری.... اس گڑیا کے پیٹ میں ہے۔"

"اوہ!" ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

"ابا جان.... کیا اس بات کی تصدیق کر لی جائے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"ہاں۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

فاروق نے گڑیا کو اٹھا لیا اور اس کے پیٹ پر سے کپڑے ہٹا کر دیکھے۔ گڑیا کا پیٹ چاک کیا ہوا تھا اور اس کے اندر ڈائری گھسیڑی ہوئی تھی۔ فاروق چلا اٹھا۔

"ابا جان۔ ڈائری مل گئی۔"

"میں بھی یہی چاہتا تھا کہ ڈائری تم لوگ تلاش کرو اور اسے لے اُڑوں میں۔"

یہ الفاظ کسی نے کمرے کے باہر سے کہے تھے.... انہوں نے چونک کر دیکھا.... دروازے میں جہانگیر بابر کھڑا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ اور آنکھوں میں ایک خوفناک سیاہ پستول چمک رہا تھا۔

وہ دھک سے رہ گئے.... انہوں نے بوکھلا کر انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا اور یہ دیکھ کر ان کی حیرت میں اور بھی اضافہ ہو گیا کہ وہ دلفریب انداز میں مسکرا رہے تھے۔

☆☆☆
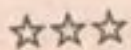
کیسی ہار

"تم نے مجھے ڈائری تلاش کر دی۔ میں تمہارا شکر گذار ہوں، میں تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا اسے۔ لاؤ.... اب یہ مجھے دے دو۔" جہانگیر بابر نے کہا۔

"کیا آپ کو اس کی ہم سے بھی زیادہ ضرورت ہے۔" فاروق نے شوخ لہجے میں پوچھا۔

"ہاں.... اس کے بغیر میں نہیں رہ سکتا۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"اوہ.... پھر تو یہ آپ کو دے ہی دینی چاہیے.... ابا جان۔ آپ کا کیا خیال ہے۔"

"اچھا خیال ہے بیٹے۔ لیکن ڈائری دینے سے پہلے ان سے ڈائری کی کہانی ضرور سن لینا۔"

"وہ کہانی تو اس ڈائری کے ساتھ ہی دفن ہو جائے گی۔" جہانگیر بابر ہنسا۔

"ہائیں۔ تم اس ڈائری کو دفن کرو گے۔ محمود نے حلق پھاڑ کر کہا۔" اتنی پیاری ڈائری کو.... جو ہمیں لاکھ جتنوں کے بعد ملی ہے.... تب تو ہم یہ تمہارے حوالے ہرگز نہیں کریں گے.... کیوں فرزانہ۔" محمود کے چہرے پر شرارت کھیلنے لگی۔

"بالکل ٹھیک.... جب انہیں ڈائری دفن ہی کرنی ہے تو پھر ہم کیوں نہ اپنے پاس رکھ لیں۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے۔ ہم یہ اس شخص کو نہیں دیں گے۔ ابا جان آپ کا کیا فیصلہ ہے۔" محمود نے ان کی طرف دیکھا۔

"بھئی سوچ لو۔ ان کے ہاتھ میں ایک عدد پستول ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"مجھے تو نقلی معلوم ہوتا ہے۔" فاروق چہکا۔

"جب اس میں سے گولی نکل کر تمہارے سینے میں لگے گی تو معلوم ہو جائے گا۔ اصلی ہے یا نقلی۔" جہانگیر بابر غرایا۔

"ارے باپ رے۔" فاروق نے بوکھلا کر اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا اور پھر جو ہاتھ ہٹایا تو اس کے ہاتھ میں ایک ننھا سا کھلونا پستول تھا.... شاید اس نے قمیض کے نیچے چھپا رکھا تھا۔

"اب کیا خیال ہے.... پستول کے مقابلے میں پستول نکال کر دکھا دیا کہ نہیں۔"

"مذاق نہ کرو۔ یہ کھلونا پستول میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔"

"اچھا۔ یہ بات ہے.... خیر محمود تمہارے پاس بھی تو ایک پستول ہے.... تم بھی وہ نکال لو.... شاید یہ حضرت دو نقلی پستولوں کو ایک اصلی کے برابر سمجھ لیں۔" فاروق نے کہا.... دوسرے اس کی حرکتوں پر حیران ہو رہے تھے۔

"بہت اچھا...." یہ کہتے ہوئے محمود نے بھی جیب میں ہاتھ ڈال کر پستول نکال لیا۔ اب دو کھلونا پستول جہانگیر بابر کی طرف اُٹھے ہوئے تھے مگر وہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔

"اگر تم نے دس سیکنڈ کے اندر اندر ڈائری میرے حوالے نہ کی تو میں فائر کر دوں گا۔" اس نے کہا۔

''اب اگر دس سیکنڈ کی مہلت دے ہی چکے ہو تو پھر اس سے پہلے فائر ہرگز نہ کرنا.... پہلے ہمارے ان پستولوں کا کمال دیکھ لو۔'' محمود نے کہا۔

اس جملے کے ساتھ ہی محمود اور فاروق نے ٹرائیگر دبا دیے.... ان میں سے پانی کی دھار کی صورت میں کوئی چیز نکلی اور جہانگیر بابر کے پستول والے ہاتھ سے ٹکرائی۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل گیا اور اس کا ہاتھ نیچے لٹک گیا۔ ہاتھ زخمی نہیں ہوا تھا مگر جہانگیر بابر کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے ہاتھ پر فالج گر گیا ہو۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کھلونا پستولوں کو دیکھ رہا تھا!

''یہ.... یہ کیا ہوا.... میرا پورا بازو سن ہو گیا ہے۔'' اس نے بوکھلا کر کہا۔

''ابھی تو ہم نے آپ کے سر پر فائر نہیں کیا، ورنہ آپ کا دماغ تک سُن ہو کر رہ جاتا۔'' محمود نے کہا۔

''اور ابھی تو فرزانہ کا ہتھیار اس کے ہاتھ میں رہ گیا ہے.... آپ کہیں تو وہ بھی نمونہ دکھا دے۔'' فاروق چہکا.... جہانگیر بابر نے بوکھلا کر فرزانہ کی طرف دیکھا، اس کے ہاتھ میں ایک ننھی سی گیند تھی۔

''اس گیند کو بھی معمولی سمجھنے کی کوشش نہ کیجئے گا.... یہ اگر آپ کے پیروں میں دے ماری جائے تو آپ اتنی زور سے اچھلیں گے کہ سر چھت سے جا لگے گا۔''

''نہیں نہیں.... ایسا نہ کرنا۔''

''تو پھر اندر آ جائیے.... ہم آپ سے آپ کی کہانی سنیں گے اور اس کے بعد آپ کو قانون کے حوالے کر دیں گے۔'' فرزانہ نے مسکرا کر کہا۔

جہانگیر بابر لڑکھڑاتے قدموں سے اندر آ گیا.... وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا.... باقی لوگ بھی کرسیوں پر بیٹھ گئے.... محمود، فاروق اور فرزانہ نے اپنے ہتھیار جیبوں میں رکھ لیے.... آخر جہانگیر بابر کہنے لگا:

''میں ہر سال ایک دو ماہ کے لیے ملک سے باہر ضرور جاتا ہوں۔ اس مرتبہ میں افریقہ چلا گیا۔ وہاں میری ملاقات طاہر کریم سے ہوئی۔ اس نے سونے کی ایک کان لے رکھی تھی.... اور اس میں سے تھوڑا بہت سونا بھی نکلنے لگ گیا تھا.... وہ سونے کو بیچ کر پیسے بنک میں جمع کراتا رہتا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ مجھے بھی کاروبار میں شریک کر لے.... وہ مان گیا اور میں اپنے حصے کی رقم ادا کر کے اس کا حصے دار بن گیا.... ایک دن غار میں سونے کی بجائے چند چمک دار پتھر ملے۔ میں ناتجربہ کار تھا.... اسلیے سمجھ نہ سکا اور طاہر وہ سارے پتھر سمیٹ کر لے گیا.... پھر ایک دن وہ غائب ہو گیا۔ میں نے اسے بہت تلاش کیا، لیکن وہ نہ ملا۔ آخر ایک دن مجھے پتا چلا کہ وہ تو اپنے ملک چلا گیا ہے.... میں سونے کی کان میں گیا، مجھے وہاں ایک ننھا سا چمک دار ذرہ ملا۔ ایسے ہی پتھر کے ٹکڑے طاہر سمیٹ کر لے گیا تھا۔ میں نے وہ ذرہ اٹھا لیا اور ایک جوہری کے پاس آیا۔ اس نے ذرہ دیکھ کر بتایا کہ یہ تو بہت قیمتی ہیرا ہے۔ بس پھر کیا تھا، میں ساری بات سمجھ گیا، طاہر کے ہاتھ کروڑوں روپے کے ہیرے لگ گئے تھے.... اس نے سوچا، اگر یہ بات مجھے معلوم ہو گئی تو حصہ دینا پڑ جائے گا، چنانچہ وہ فرار ہو کر یہاں آ گیا۔ میں بھی فوراً واپس لوٹا.... میں نے کرائے کے چند آدمیوں کو طاہر کریم کے گھر کی نگرانی پر لگا دیا.... پتا چلا، وہاں طاہر کریم تو نہیں، البتہ ایک مہمان ضرور ٹھہرا ہوا ہے۔ ایک روز جب مہمان گھر سے نکلا تو میں نے بیگم طاہر کریم اور اس کی بچی کو اغوا کرا لیا تاکہ ان سے معلوم کرایا جائے.... ادھر میں گھر میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور میز کے نیچے چھپ گیا۔ فوراً ہی ایک اور آدمی آیا اور اس نے میز کے نیچے چھپے ہوئے آدمی پر گولی چلا دی۔ نیچے سے بھی فائر ہوا اور دوسرے کے گولی ٹانگ میں لگی۔ وہ بھاگ نکلا۔ میز کے نیچے والا آدمی مر گیا۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ زخمی ہونے والا آدمی بیگم طاہر کا مہمان تھا اور یہ کہ دراصل وہ طاہر کریم ہی تھا۔ بس

میں نے اس کے گھر سے اس کا بیگ اڑوا لیا.... لیکن بیگ تو بالکل خالی تھا.... مجھے معلوم تھا کہ طاہر کریم ڈائری لکھنے کا عادی ہے، میں نے سوچا، اس نے اپنی ڈائری میں ضرور یہ لکھا ہوگا کہ ہیرے کہاں ہیں۔ اب میں نے ڈائری تلاش کرائی، لیکن نہ ملی۔ اس دوران یہ دونوں لڑکے میرے گھر تک پہنچ گئے اور پھر انسپکٹر جمشید بھی پہنچے میں نے بیگ لے جانے دیا.... ادھر میں نے اپنے آدمیوں کو بیگم طاہر کریم کی طرف روانہ کیا تا کہ وہ ڈائری کے بارے میں پوچھ گچھ کریں۔ میں جانتا تھا.... آپ لوگ خود بھی ڈائری تلاش کیے بغیر نہیں رہیں گے.... چنانچہ میں نے آپ کی ذہانت سے فائدہ اٹھایا.... اور اس وقت میں آپ لوگوں کے سامنے ہوں۔ آپ اس ڈائری کو کھول کر دیکھ لیں.... میری کہانی کی تصدیق ہو جائے گی۔" یہ کہہ کر جہانگیر بابر خاموش ہو گیا۔

"تو یہ سارا چکر ہیروں کا تھا.... لیکن سوال تو یہ ہے کہ طاہر کریم اس شخص کا تعاقب کیوں کر رہے تھے۔" محمود نے کہا۔

"مجھے کیا معلوم.... میرا تو اس کہانی سے جتنا تعلق تھا، میں نے بتا دیا۔" اس نے کہا۔

"بہت خوب! اب ذرا اس ڈائری پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔"

محمود، فاروق اور فرزانہ ڈائری پر جھک گئے.... البتہ انسپکٹر جمشید اسی طرح بیٹھے رہے۔ اس وقت جہانگیر بابر کی چہکتی ہوئی آواز نے انہیں چونکا دیا۔ انہوں نے دیکھا اس کے بائیں ہاتھ میں ایک اور پستول موجود تھا اور وہ کہہ رہا تھا:

"میں جانتا تھا، یہاں میرے ساتھ کوئی نہ کوئی چال چلی جائے گی.... اس لیے میں دوہرا بندوبست کر کے آیا تھا.... آپ لوگوں کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں بائیں ہاتھ سے بھی اسی مہارت سے پستول چلا سکتا ہوں، جس قدر کہ دائیں ہاتھ سے

63

---اب آپ سب لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دیں.... اب میں کھلونا پستول اور گیند نکالنے کی مہلت نہیں دوں گا۔"

وہ دیکھتے رہ گئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ بازی اس طرح بھی پلٹ سکتی ہے۔

☆☆

"ڈائری میری طرف اچھال دو اور تم سب اُٹھ کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو جاؤ۔" اس نے گرج دار آواز میں حکم دیا.... محمود نے انسپکٹر جمشید کی طرف دیکھا اور پھر ڈائری اچھال دی.... پھر وہ سب اٹھے اور دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ جہانگیر بابر نے محتاط رہتے ہوئے ڈائری اٹھالی۔

"میں یہ ڈائری لے کر جا رہا ہوں۔ کوئی میرے پیچھے آنے کی کوشش نہ کرے۔ اگر کسی نے حرکت کی تو میں گولی مار دوں گا، پستول پر سائیلنسر فٹ ہے۔ اس لیے آواز کمرے سے باہر نہیں جا سکے گی۔" اس نے کہا۔

ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا.... یوں لگتا تھا، انہیں سانپ سونگ گیا ہے۔ محمود، فاروق اور فرزانہ کو حیرت اس بات پر تھی کہ ان کے والد کیوں خاموش ہیں۔ آخر محمود سے رہا نہ گیا۔ اس نے کہا:

"ابا جان۔ کیا بات ہے.... آپ بھی چپ ہیں۔"

"کیا کیا جائے بھئی.... اس وقت حالات کی باگ دوڑ جہانگیر بابر صاحب کے ہاتھ میں ہے، تھوڑی دیر پہلے جب تم نے ان پر پستول تان رکھے تھے تو تم چہک رہے تھے، اب ان کی باری ہے.... میری تو باری آئی ہی نہیں، پھر میں کیا بولوں۔"

"تو.... تو کیا یہ شخص ڈائری لے جائے گا۔" فرزانہ نے بوکھلا کر کہا۔

"مجبوری ہے.... اور یوں بھی ہمیں اس ڈائری کی پروا کیوں ہو، ہیروں کا

ہی تو معاملہ ہے.... ملک اور قوم کا معاملہ ہوتا تو میں جان پر کھیل بھی جاتا۔'' انسپکٹر جمشید نے مسکراتے ہوئے کہا:

''لیکن ابا جان.... اس کیس میں دو آدمی قتل بھی تو ہو چکے ہیں۔'' فرزانہ نے کہا۔

''وہ تو جہانگیر بابر کے بیان کی روشنی میں ایک دوسرے کے ہاتھوں مرے ہیں۔ اس میں ان کا کیا قصور...... ہیروں پر آخر ان کا بھی حق بنتا ہے.... ہاں اخلاقی طور انہیں آدھے ہیرے بیگم طاہر کریم کو ضرور دینے چاہئیں۔''

''ضرور دوں گا......'' جہانگیر بابر نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''بے ایمانی کی ابتداء ان کے خاوند کی طرف سے ہوئی ہے.... اب میں بھی ہر طرح آزاد ہوں۔'' اس نے کہا۔

''ہاں! یہ بھی ٹھیک ہے۔''

''اچھا تو پھر خدا حافظ۔''

''خدا حافظ!'' انسپکٹر جمشید نے خوش دلی سے کہا۔

اور جہانگیر بابر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

☆☆☆

ڈائری کا راز

''ہم نے آج تک اتنی بُری شکست نہیں کھائی .... ابا جان ہمیں حیرت تو آپ پر ہے، آخر آپ نے اسے کیوں جانے دیا، ہم جانتے ہیں، اگر آپ اسے روکنا چاہتے تو بڑی آسانی سے روک سکتے تھے، وہ آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا تھا۔'' فاروق کہتا چلا گیا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو۔ دراصل میں یہی چاہتا تھا، وہ ڈائری لے کر چلا جائے۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''آخر کیوں۔ ہم کچھ سمجھے نہیں۔'' فرزانہ نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

''بہت جلد تمہیں معلوم ہو جائیگا۔ دن نکلنے والا ہے.... اب ہم سوئیں گے اور پھر تم ایک اور ڈرامہ دیکھو گے۔'' انسپکٹر جمشید یہ کہتے ہوئے مسکرائے۔

''ڈرامہ دیکھیں گے.... کیا کوئی اور بھی ڈرامہ باقی ہے۔'' محمود نے کہا۔

''ہاں.... ہم نے بازی ہاری نہیں.... جیتی ہے.... یہ اور بات ہے کہ تمہیں شکست نظر آ رہی ہے....''

''آخر بات کیا ہے.... آپ صاف صاف کیوں نہیں بتا دیتے۔''

''صبح کا انتظار کرو.... ناشتے کی میز پر ہر بات صاف ہو جائے گی.... اس وقت ہمارے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ناشتا کریں گے.... بس ذرا بیگم طاہر کریم صاحبہ کو

زحمت کرنا پڑے گی۔"

"میں ہر طرح حاضر ہوں۔" انہوں نے خوش دلی سے کہا۔

رات کا باقی حصہ باتوں اور سوچوں میں گزر گیا.... محمود، فاروق اور فرزانہ تو ایک منٹ کے لیے بھی نہ سو سکے، وہ تو یہی سوچتے رہے، اب اس کیس میں کیا باقی رہ گیا ہے.... وہ کون سا ڈرامہ ہے جو ابا جان ناشتے کی میز پر دکھانا چاہتے ہیں.... اور کون لوگ آنے والے ہیں۔ خدا خدا کر کے دن نکلا۔ وہ منہ دھو کر ناشتے کے لیے تیار ہو گئے.... انسپکٹر جمشید تو صبح سے فون کرنے میں لگے ہوئے تھے.... اور پھر ناشتے سے ذرا دیر پہلے انسپکٹر جمشید کے محکمے کے تمام بڑے بڑے افسروں کے علاوہ دوسرے محکموں کے بھی بڑے بڑے افسر وہاں پہنچ چکے تھے.... ان میں محکمہ خارجہ کے کچھ آفیسر بھی تھے۔ وہ سب حیران تھے.... انہیں کچھ نہیں معلوم تھا کہ انسپکٹر جمشید نے انہیں یہاں کس لیے بلایا ہے۔ جب سب لوگ آ گئے تو انہوں نے انہیں ایک کمرے میں بیٹھنے کے لیے کہا.... اس کمرے کے بالکل سامنے صحن میں ناشتے کی میز بچھی تھی.... اس پر ناشتا لگایا جا رہا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے مہمانوں سے گذارش کی کہ کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھلا رکھیں اور باہر ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنتے رہیں....

پھر انہوں نے گھر کے افراد اور محمود فاروق فرزانہ سے کہا کہ وہ معمول کے مطابق ناشتے کی میز پر بیٹھ جائیں۔ یہ ہرگز نہ ظاہر ہو کہ چند گز کے فاصلے پر کمرے میں بہت سے آدمی جمع ہیں۔ بس دھیان ناشتے کی طرف رہے.... پھر وہ خود بھی ناشتے کی میز پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے اپنے لیے اس کمرے کے سامنے والی کرسی چنی تھی.... اور اس کے بالکل سامنے کی کرسی خالی پڑی تھی.... یوں اِدھر اُدھر بھی ایک دو کرسیاں خالی تھیں۔ مہمانوں کے لیے کھانے پینے کی چیزیں کمرے میں رکھ دی گئی تھیں تا کہ وہ بھی ساتھ ساتھ ناشتا کرتے رہیں۔ انہیں یہ سب کچھ بہت عجیب لگ رہا

تھا۔ کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے اور کیوں ہو رہا ہے.... البتہ ضرور ہے ک
محمود، فاروق اور فرزانہ نے کسی قدر اندازہ لگا لیا تھا، لیکن اصل معاملہ کیا ہے، یہ ان کے
فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی.... انہوں نے ناشتا شروع کر دیا.... آہستہ آہستہ سب کے
ہاتھ چلنے لگے.... ناشتا بہت مزے دار تھا، بیگم طاہر کریم اور صفیہ نے بہت محنت کی
تھی.... سب لوگ ناشتے میں اس قدر محو ہو گئے کہ جیسے وہ یہاں صرف ناشتا ہی کرنے
آئے ہوں.... تھوڑی دیر بعد تو ان کا یہ حال تھا کہ کسی کو یہ خیال تک نہ رہا ک
یہاں.... ابھی کچھ دیر بعد کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے.... آخر انسپکٹر جمشید نے انہیں
یونہی تو نہیں بلوا لیا تھا.... وہ تو اس وقت چونکے جب دروازے کی گھنٹی بجی.... انسپکٹر
جمشید نے ایک احتیاط یہ کی تھی کہ مہمانوں کی کاریں اِدھر اُدھر کھڑی کرائی
تھیں.... اب آنے والا یہ نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس گھر میں کچھ اور لوگ بھی آ چکے
ہیں۔ انسپکٹر جمشید نے محمود سے کہا:

"محمود دروازے پر دیکھو.... کون ہے.... انہیں اندر لیتے آنا۔ یہ جملہ انہوں نے قدرے اونچی آواز میں کہا تھا.... پھر دبی آواز میں بولے:

سب لوگ ہوشیار ہو جائیں.... شکار جال میں آ رہا ہے.... معمول کے مطابق ناشتا کرتے رہیں۔"

محمود دروازے کی طرف جا چکا تھا، ان سب کے دل دھک دھک کر رہے تھے۔ خاص طور پر دوسرے کمرے میں موجود لوگوں کا تو مارے حیرت کے بُرا حال تھا.... انسپکٹر جمشید نے اس طرح تو کبھی کسی مجرم کو نہیں پکڑا تھا۔ جلد ہی دروازہ کھلنے کی آواز آئی.... پھر قدموں کی آواز نزدیک آنے لگی۔

انہوں نے سر اُوپر اٹھا کر دیکھا.... جہانگیر بابر دونوں ہاتھوں میں پستول لیے چلا آ رہا تھا اور محمود کے ہاتھ سر سے اُوپر اٹھے ہوئے تھے۔

انسپکٹر جمشید.... تم نے مجھے دھوکا دیا.... گڑیا کے پیٹ سے جو ڈائری نکلی تھی، وہ اصلی ڈائری نہیں ہے بلکہ ہو بہو ویسی ہی ڈائری ہے اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اصل ڈائری تمہارے پاس ہے.... میں وہی لینے کے لیے دوبارہ آیا ہوں۔"

"کیوں.... کیا اس ڈائری میں وہ کہانی نہیں ہے.... جو تم نے سنائی تھی.... کیا اس میں ہیروں کا پتا نہیں لکھا ہوا ہے...." انسپکٹر جمشید نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"چھوڑو ان چال بازیوں کو.... مجھے اصل ڈائری دے دو.... میں لے کر چلا جاؤں گا.... کسی کو کچھ نہیں کہوں گا ورنہ سب کو چھلنی کر دوں گا...."

"بھئی واہ.... اگر ہم چھلنی بن گئے تو لوگ ہم سے بہت فائدہ اٹھائیں گے۔" فاروق چہکا۔

"فاروق.... تم نہ بولو۔ کہیں یہ پستول نہ چلا دیں۔" فرزانہ نے شریر لہجے میں کہا۔

"اور تم کیوں بولی ہو۔" محمود بھی رہ نہ سکا۔

"خاموش۔ میں اس معاملے کو طول نہیں دوں گا.... دن کا وقت ہے.... لہٰذا فوری طور پر ڈائری مجھے دے دو۔"

"جہانگیر بابر صاحب.... ڈائری واقعی میرے پاس ہے.... اور میں اسے پڑھ چکا ہوں۔ اب وہ آپ کو صرف اس شرط پر ملے گی کہ میں اس میں لکھی کہانی سب کو سنا دوں۔ رات ایک کہانی آپ نے سنائی تھی، اب دوسری میں سناؤں گا۔ کیا خیال ہے۔"

"تو تم اس ڈائری کو پڑھ چکے ہو، تب تو تمہاری موت کا وقت آ چکا ہے.... اب میں کم از کم تمہیں تو زندہ چھوڑوں گا نہیں۔ جہانگیر بابر کا لہجہ خوفناک

ہو گیا۔

"اور اگر میں ان سب کو ڈائری کی کہانی سنا دوں تو؟"

"تو پھر ان سب کو مرنا پڑے گا۔"

"بہت خوب.... اب تم لوگ بتاؤ.... اس کہانی کی شرط موت ہے۔"

"ہم کہانی تو ضرور سنیں گے، موت اور زندگی کا فیصلہ خدا کرے گا۔" محمود نے قدرے بلند آواز میں کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے.... انسپکٹر جمشید تم کہانی بڑے شوق سے سنا سکتے ہو۔"

"اچھی بات ہے.... لو سنو۔ کل تم نے کہانی کچھ اس طرح سنائی تھی کہ تم سال میں ایک دو ماہ کے لیے کسی دوسرے ملک ضرور جاتے ہو، سیاحت کا شوق جو ہوا۔ اس مرتبہ افریقہ پہنچ گئے، جہاں طاہر کریم سے ملاقات ہوئی، وہ سونے کی ایک کان خرید چکا تھا، تم بھی اس کے حصے دار بن گئے، لیکن سونے کی بجائے کان سے نکل آئے ہیرے، طاہر کریم ہیرے لے کر یہاں بھاگ آیا۔ تم نے اس کا پیچھا کیا.... وہ میک اپ کر کے اپنے ہی گھر میں.... مہمان بن گیا، تم نے اس کا پتا چلا لیا.... اس دوران طاہر کریم ایک بدمعاش فیروز کالا کے ہاتھوں اور وہ ان کے ہاتھوں مارا گیا.... رات تم وہ ڈائری یہاں سے لے گئے۔ کل تم نے یہ کہانی سنائی تھی.... لیکن آج میں اعلان کرتا ہوں کہ یہ کہانی سرے سے جھوٹ تھی!" انسپکٹر جمشید یہ کہہ کر خاموش ہو گئے۔

"کیا!!" میز پر بیٹھے لوگوں کے منہ سے نکلا.... دوسرے کمرے والے تو کوئی آواز نکال ہی نہیں سکتے تھے۔

"جی ہاں.... سنتے جائیے.... اب میں بالکل اصلی کہانی سناتا ہوں۔ جہانگیر بابر صاحب ہر سال ایک دو ماہ کے لیے کسی دوسرے ملک ضرور جاتے ہیں.... یہاں

یہ بڑے بڑے سرکاری افسروں کی دعوتیں کرتے رہتے ہیں.... یہ دعوتیں سال میں کئی بار دی جاتی ہیں اور خوب دولت لٹائی جاتی ہے.... ان دعوتوں میں شراب بھی پلائی جاتی ہے اور شراب کے نشے میں مست افسروں سے جہانگیر بابر بہت سی راز کی باتیں معلوم کر لیتے ہیں.... پھر یہ دوسرے ملک جا کر وہ راز کی باتیں کسی دوسرے کے حوالے کر دیتے ہیں.... یہ دوسرا ہمارے دشمن ملک کا جاسوس ہے.... دونوں ہر سال جب ملتے ہیں تو اگلے سال کے لیے ملک کا نام اور ملاقات کی جگہ پہلے ہی طے کر لیتے ہیں.... اس طرح سیاحت کے پردے میں جاسوسی ہو رہی ہے۔ ملک کی جڑیں کھوکھلی کی جا رہی ہیں۔''

''اوہ!'' وہ سب دھک سے رہ گئے۔ ان کے رنگ اُڑ گئے۔

''اب اس مرتبہ کیا ہوا.... طاہر کریم نے افریقہ میں واقعی سونے کی ایک کان خرید رکھی تھی اور اس میں سے ہر روز کافی مقدار میں سونا نکل رہا تھا، اس لیے وہ اپنے خطوط میں لکھا کرتے تھے کہ ہم بہت جلد دنیا کے مال دار ترین آدمی بن جائیں گے۔ ان کا یہ دعویٰ غلط نہیں تھا.... کان سے نکلنے والے سونے کی مقدار روز بروز بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ انہی دنوں جہانگیر بابر وہاں جا پہنچا.... اس مرتبہ یہیں ملاقات کا پروگرام بنا تھا.... جس ہوٹل کے کمرے میں یہ ٹھہرے، اس کے ساتھ والا کمرہ طاہر کریم نے لے رکھا تھا.... دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا.... وہ شناسا سا تھے، اس لیے جہانگیر بابر کچھ وقت اس کے ساتھ بھی گزارنے لگے.... اس نے بتا دیا کہ وہ سونے کی ایک کان کا مالک ہے.... اس نے حصے داری کی پیش کش کی.... لیکن بھلا طاہر کریم کو کیا ضرورت تھی کہ کسی حصے دار بناتا.... اس کی کان تو سونا اُگل رہی تھی.... لہٰذا اس نے انکار کر دیا.... اسی دوران جہانگیر بابر کا ملاقاتی آ گیا.... طاہر کریم نے بھی اسے دیکھ لیا.... یہ آدمی اسے کچھ اچھا نہ لگا۔ کیونکہ اس کے نقوش غیر ملکی تھے۔ جہانگیر بابر اسے

لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا تو طاہر کریم کو الجھن ہونے لگی۔ [illegible] میں آواز پیدا کیے بغیر داخل ہو گیا.... اور ان دونوں کی باتیں [illegible] کی یہ مشکل غسل خانے میں حل ہو گئی۔ کیونکہ دونوں کمروں کا غسل [illegible] جب طاہر کریم نے ساتھ والے کمرے کی طرف [illegible] تو اسے باتوں کی آواز آنے لگی.... [illegible] تھی.... انہوں نے دیکھا.... جہانگیر بابر اس شخص کو ایک [illegible] اب تو ان کی حیرت اور بڑھی.... وہ غسل خانے سے [illegible] بعد وہ شخص باہر نکل کر ایک ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔ طاہر کریم [illegible] .... اس نے تعاقب کیا.... وہ ایک دوسرے ہوٹل میں [illegible] لیا کہ وہ کون سے کمرے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ [illegible] کرائے پر لے لیا اور ایک دن جب کہ وہ شخص باہر گیا ہوا تھا [illegible] تختے سے اپنی چابی کی بجائے اس کی چابی اتار لی۔ [illegible] ہے۔ اُوپر آ کر انہوں نے تالا کھولا اور اندر داخل ہو گئے۔ [illegible] کمرے کی تلاشی لی اور آخر اس آدمی کے بیگ میں سے [illegible] ڈائری کو جیب میں ڈالا اور باہر نکل آئے۔ ایک پارک میں بیٹھ کر انہوں نے [illegible] ورق گردانی کی.... اور انہیں یہ بات معلوم ہوئی کہ جہانگیر بابر [illegible] ہے اور نہایت پُراسرار طریقے سے ملک کو زبردست نقصان پہنچا رہا ہے۔ [illegible] .... طاہر کریم اپنے ملک کی طرف سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر [illegible] اپنے وطن سے بہت محبت تھی.... جب وہ یہاں آئے تو ان کے ہاتھ میں [illegible] کھال کا بیگ تھا اور اس میں وہ ڈائری تھی۔ اپنے گھر آ کر انہوں نے [illegible] کو یہ تو بتا دیا کہ وہ کون ہیں.... لیکن یہ نہیں بتایا کہ [illegible]

ہیں.... نہ ڈائری کے بارے میں کچھ بتایا.... انہوں نے چہرے پر میک اپ کر رکھا تھا اور میک اپ پر ڈاڑھی بھی تھی....

ادھر جب اس شخص کو ڈائری غائب ملی تو وہ جہانگیر بابر کے پاس آیا.... دونوں بہت پریشان ہوئے.... پھر انہیں طاہر کریم کی گم شدگی کا پتا چلا.... غسل خانے کے دروازے کا خیال آتے ہی انہیں یقین سا ہو گیا.... پھر وہ اس ہوٹل پہنچے جس میں وہ شخص ٹھہرا تھا.... رجسٹر میں دو تین دن پہلے کے ٹھہرنے والوں کے نام دیکھے.... اس میں طاہر کریم کا نام موجود تھا۔ اب تو انہیں یقین ہو گیا۔ چنانچہ جہانگیر بابر فوراً یہاں پہنچے.... انہوں نے طاہر کریم کے گھر کی نگرانی کے لیے فیروز کالا اور اس کے ساتھیوں کو ملازم رکھا، ایک دن وہ طاہر کریم کو تو گھیر گھار کر جہانگیر بابر کے گھر لے گئے اور ان کے بیوی بچی کو جنگل میں لے گئے مطلب یہ تھا کہ ادھر تو ان کی بیوی بچی سے معلومات حاصل کریں گے، دوسری طرف طاہر کریم سے اگلوانے کی کوشش کریں گے اور تیسری طرف ان کے گھر کی تلاشی آسانی سے لی جا سکے گی۔ طاہر کریم کو جب جہانگیر بابر کے گھر پہنچایا گیا تو وہ چونکے.... اس وقت انہیں پتا چلا کہ ماجرا کیا ہے، انہوں نے جیب سے اچانک پستول نکال لیا.... ساتھ ہی فیروز کالا نے پستول نکالا اور فائر کر دیا.... فیروز کالے کی گولی ان کی ٹانگ پر لگی، لیکن ان کی گولی نے فیروز کالے کا کام تمام کر دیا۔ یہ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور اپنے گھر آ گئے، یہاں ان کی بیگم اور بچی کی بجائے فرزانہ انہیں ملی۔ اُدھر محمود اور فاروق ان دونوں کو چھڑا کر لے آئے۔ پھر میں یہاں پہنچ گیا۔ میں نے سب سے پہلے مہمان خانے کی طرف توجہ دی تھی.... جہاں سے بیگ اٹھوالیا گیا تھا.... دراصل جہانگیر بابر کے آدمی بیگ کو خالی سمجھ کر چھوڑ گئے تھے.... لیکن جہانگیر بابر نے انہیں دوبارہ بھیج کر بیگ اٹھوالیا.... اور یہ اس وقت ہوا جب فرزانہ وہاں موجود تھی.... لیکن ان سب کوششوں

کے بعد بھی جہانگیر بابر کو ڈائری نہیں ملی تھی.... ڈائری تو دراصل بیگ کی دہری کھال کے اندر اس کے نچلے حصے میں موجود تھی.... چونکہ اس حصے میں لکڑی بھی لگی ہوئی ہے.... اس لیے ڈائری کی موجودگی کا پتا نہ چل سکا اور میں بیگ جہانگیر بابر کے گھر سے لے آیا.... انہوں نے بھی یہی سوچا تھا کہ میں اور میرے بچے ڈائری تلاش کر لیں گے۔ ادھر میں نے ڈائری بیگ سے نکال لی اور جب اسے پڑھ تو بھونچکا رہ گیا۔ یہ شخص تو ملک اور قوم کو میٹھا زہر دے رہا تھا.... میں نے ایک نقلی ڈائری لی.... اس میں اُوٹ پٹانگ باتیں لکھیں اور گڑیا کے پیٹ میں چھپا دی۔ میں جانتا تھا.... جہانگیر بابر عین اس وقت کمرے میں داخل ہو گا جب ہم ڈائری تلاش کر لیں گے.... ایسا ہی ہوا.... سب کے ساتھ میں بھی ڈائری تلاش کرنے میں لگ گیا، گھر کا دروازہ میں نے جان بوجھ کر کھلا چھوڑ دیا.... چنانچہ جہانگیر بابر آئے اور نقلی ڈائری لے گئے، چونکہ رات کا آخری پہر تھا، اس لیے میں نے سوچا، اب یہ دوبارہ ناشتے کے وقت ہی آئیں گے۔ لہذا میں نے آپ سب لوگوں کو بھی بلا لیا....''

آخری الفاظ انہوں نے جہانگیر بابر کے سر کے پیچھے دیکھتے ہوئے کہے۔ وہ بُری طرح چونک اور گھبرا کر پیچھے دیکھنے کے لیے مڑا۔ یہی وہ لمحہ تھا جس کا انسپکٹر جمشید کو انتظار تھا، انہوں نے ایک مکا تاک کر اس کی ناک پر مارا، وہ کرسی سمیت دوسری طرف اُلٹ گیا اور بے ہوش ہو گیا.... یہ مکا ایسا نہیں تھا کہ کھانے والا ہوش میں رہ سکتا۔

''اُف خدا۔ تو یہ تھا معاملہ۔'' کمرے سے نکلتے ہوئے آئی جی صاحب بولے۔ دوسرے بھی ان کے ساتھ باہر نکل آئے۔ ان میں اکرام بھی تھا، اس نے جہانگیر بابر کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں اور دونوں پستول اپنے قبضے میں کر لیے۔

"ابا جان.... آپ کو ان سب باتوں کا پتا کس طرح چلا.... یعنی افریقہ میں ہونے والی باتوں کا۔" فرزانہ نے سوال کیا۔

"میں نے افریقہ کے ایک سراغرسان جمی کارڈو سے یہ کام لیا ہے.... وہ میرا بہت اچھا دوست ہے اور بہترین سراغراں بھی ہے.... اور ہاں.... یہ بھی بتا دوں.... بیگم طاہر کریم اور ان کی بچی صفیہ کا لاکھوں روپیہ افریقہ کے بنک میں جمع ہے.... حکومت اسے منتقل کرا دے گی.... طاہر کریم نے قوم اور ملک کے لیے جان دی ہے.... انہوں نے شہادت پائی ہے.... میں ان کی عظمت کو سلام کرتا ہوں میں ان کی بیگم اور بچی کو سلام کرتا ہوں۔"

بیگم طاہر کریم اور صفیہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں.... پھر آنسو لڑھک کر گالوں تک آ گئے اور ٹپ ٹپ زمین پر گرنے لگے۔

D-83 سائٹ۔ کراچی
فون: 2578273 - 2581720
e-mail: atlantis@cyber.net.pk